کتاب و سنّت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار
ماہنامہ
اشرف الجرائد
حیدرآباد
Volume:12 Issue:10 October 2019
مُدیر
مولانا محمد عبد القوی
اِدارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

جبل تہامہ جیسے اعمال ہوں گے مگر......

مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ (سورۃ الکھف)

ترجمہ: کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں بتلائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیاوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔

تشریح: یہ دنیا دار العمل ہے یہاں مکمل جزا نہیں اور آخرت دار الجزاء ہے وہاں کوئی عمل نہیں، بعض لوگ جب اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے اپنے نامۂ عمل کو دیکھ کر افسردگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے تمنا کریں گے کہ ہمیں موقع مل جائے دوبارہ عمل کرنے کا یا دنیا میں بھیجنے کی فریاد کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی والے اعمال کر کے واپس لوٹے، ان کی تمنا بے سود، فریاد مسترد ہو جائے گی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے قیامت کے دن ایک شخص قد آور، موٹا فربہ آئے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن دار نہ ہوگا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ روز محشر ایسے ایسے اعمال پیش کیے جائیں گے جو جسامت میں تہامہ پہاڑ جیسے ہوں گے مگر میزان عمل میں وہ ذرۂ بے حیثیت ہوں گے، اب سوال یہ ہے کہ مال کے اکارت اور ضائع ہونے کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ یہ کرنے میں احسان وخلوص ہونے کے باوجود بھی وہ بے وزن کیوں ثابت ہو رہے ہیں، کیا پروردگار کے یہاں ان اعمال کی قدر نہیں، حالانکہ وعدہ رب ہے كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا تمہارے اعمال کی قدر کی جائے گی۔

بات دراصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے سب سے پہلے ایمان کا سلامت

---

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

رہنا کیوں کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل عنداللہ قابل قبول نہیں ہوتا بہت سے بے ایمان ایمان داروں سے زیادہ خرچ کرتے ہیں پورے اخلاص اور تڑپ کے ساتھ لیکن اللہ تعالیٰ اُن کو اس کارِ خیر کا بدلہ کو دنیا ہی میں دے دیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں رہتا اب ان کا یہ عمل آخرت میں بے وزن ثابت ہوگا اس کے برخلاف اگر کوئی ایمان کی شرط کے ساتھ نیک کام کرے چاہے مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ہم اس کو اس عمل کے بدلے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور اس کے عمل سے کہیں بہتر اچھا بدلا دیں گے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جو عمل بھی ہو وہ خدا تعالی کے مرضیات کے طریق پر ہو ورنہ بندہ اچھا کام بھی کرے گا اس کا گمان بھی یہ ہوگا کہ وہ بہت کار خیر میں حصہ لے رہا ہے اور مداومت کے ساتھ اعمال صالح کر رہا ہے لیکن اس کا یہ عمل مردود و مسترد ہو جائے گا فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا جن خیر کے کاموں کو ذریعے فلاح و بہبود گمان کیا تھا وہی آج ذرۂ بے حیثیت، ذریعۂ ندامت و شرمندگی بنا ہوا ہے یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی پیاسا سراب کو پانی سمجھ کر پُر امید آگے بڑھتا ہے قریب پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ یہ تو چمکتی ریت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس کے عمل کو سراب کی طرح بنا دیں گے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًۭ ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ط

پتہ چلا اعمال کی قبولیت کا دارومدار صرف اخلاص پر ہی نہیں ہے بلکہ مرضیات رب کا پیش نظر ہونا بھی ضروری ہے اس جدو جہد کا کوئی فائدہ نہیں جس میں اجر و ثواب نہیں اس محنت کا کیا فائدہ ہے جس میں محنتانہ نہیں، لہٰذا اپنے عمل کو مقبول بنانے بے وزن و بے حیثیت ہونے سے بچانے کے لیے اس بات کا بھی اہتمام کر لینا چاہیے کہ میرا یہ عمل مرضیہ رب کے عین مطابق ہے یا نہیں اپنے ہر عمل کو شریعت کے ترازو پر تو لینا چاہیے اور اگر خود نہیں جانتے ہیں جانکاری رکھنے والوں سے سوال کر لینا چاہیے کہ میرا عمل شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔

نیکی کرنا آسان ہوتا ہے لیکن اس نیکی کے ثواب کو محفوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے، ہم نیکی کے ساتھ بہت سے برے کام ایسے کر بیٹھتے ہیں جو اس نیکی کو ضائع اور برباد کرنے والے ہوتے ہیں جیسے ریا کاری، ناحق ظلم، بد زبانی، بدگمانی، حسد، کینہ، بغض اور پھر ہم اس خوش فہمی کے اندر مبتلا رہتے ہیں کہ ہمارے اعمال کا ثواب محفوظ اور مشکور ہوگا، لہٰذا اعمال صالحہ کی قبولیت کے لیے دو باتوں کا التزام از حد ضروری ہے ایک ایمان دوسرا وہ عمل جس کو وہ کرنے جا رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو اور پھر مقبول عمل کے بقا کے لیے معصیتوں سے اپنے آپ کو بچانا بھی بہت ضروری ہے ورنہ اعمال اکارت ضائع ہو جائیں گے اور محنت پر پانی پھر جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین

رحمتِ خداوندی سے دور کرنے والے تین کام

مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ، وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، قَالَ: فَقَرَأَھَا رَسُوْلُ اللہِ ﷺ ثلاثَ مِرَارٍ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ: خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ ھُم یَا رَسُوْلَ اللہِ؟ قَالَ: المسبِلُ، والمنَّانُ، والمنفِّقُ سِلعَتَہٗ بِالحلفِ الکَاذِبِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اُن سے بات کرے گا، نہ اُن کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا، نہ اُن کو پاک کرے گا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ راوی فرماتے ہیں ''آپ ﷺ نے سورۂ آلِ عمران کی آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا الخ تین دفعہ پڑھی'' حضرت ابوذرؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ یہ لوگ تو خائب وخاسر ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کپڑا ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا، (لوگوں کے ساتھ بھلائی کرکے) احسان جتانے والا، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے رحیم وکریم ہیں، وہ بخشش کو پسند فرماتے ہیں، معافی طلب کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں، اس کی صفتِ رحمانیت ہی کا ثمرہ ہے کہ نادان بندوں کی غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کرنے کے لئے بے شمار اعمال پر بخشش کے وعدے فرما رکھے ہیں، لیکن ایسا کریم رب، ایسا رحیم پروردگار جس کی بخشش وعطا اور رحم وکرم سے دنیا وآخرت دونوں جہاں میں بندے راحت وعافیت پاتے ہیں، اگر وہ خفا اور ناراض ہوجائے، نہ صرف ناراض بلکہ بندوں کو اپنی ہم کلامی اور نظرِ رحمت سے محروم کردے اور گناہوں کی گندگی میں چھوڑ دے اور تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کردے تو ایسے بندے خائب وخاسر ہی ہوں گے۔

یہ آقا ﷺ کی شانِ شفقت وترحّم ہے کہ امت کو ایسے اعمال سے آگاہ فرمادیتے ہیں جس سے

---

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

حق تعالیٰ شانہٗ سے دوری اور بُعد پیدا ہوتا ہے اور آخرت میں نقصان اُٹھانا پڑتا ہے، مذکورہ بالا حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

پہلا: ''المسبل'' یعنی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا، پائنٹ ہو، پائجامہ ہو، تہبند ہو، جبہ ہو یا کوئی اَور بڑی چادر، مردوں کے لئے حکم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا ممنوع ہے، نصف پنڈلی تک رکھنا مستحب اور ٹخنوں سے کچھ اوپر رکھنا جائز ہے۔ یہ حکم نماز کی حالت کے ساتھ خاص نہیں عام حالات میں بھی ٹخنوں سے نیچے کپڑا رکھنے کی عادت بنالینا گناہ ہے، ہاں! کبھی غفلت سے کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوجائے اور متنبہ کرنے پر یا خود یاد آنے پر کپڑا اونچا کرلے تو وہ اس وعید کا مستحق نہیں۔ عوام ہو کہ خواص ہر بندۂ مسلم کو اس سے بچنا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی اس گناہِ بےلذت سے بچانا چاہئے۔

دوسرا: ''المنان'' وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو، یا کچھ اچھائیوں سے نوازا ہو اور وہ بندہ اپنے مال اور خوبیوں سے دوسروں کو فائدہ پہونچائے پھر اُن بندوں کو اپنے انعامات یاد دلا کر ذلیل ورسوا کرے یا ان کی تحقیر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر یا ایذا دے کر برباد مت کرو'' (البقرہ: ۲۶۳) امام قرطبیؒ نے اس کے ذیل فرمایا کہ: احسان جتلانے والا بخیل ہوتا ہے یا خود پسند، بخیل اپنے عطیہ کو بڑا خیال کرتا ہے اگرچہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، اور خود پسند اپنی ذات پر نظر کرتا ہے کہ میں نے اپنا مال فلاں کو دیا ہے میں بڑا آدمی ہوں اگرچہ وہ اس شخص سے کم مرتبہ کا ہو جسے مال دیا ہے، اور اس طرح کی حرکتیں جہالت اور اللہ کے انعامات کو فراموش کردینے کا نتیجہ ہوتی ہیں، اگر اس کی انعاماتِ الٰہیہ پر نظر ہوتی تو وہ لینے والے کا ممنون ہوتا اس لئے کہ اس کے لینے کی وجہ سے اُسے اُخروی فوائد ومنافع حاصل ہوتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیئے کہ اس دنی حرکت سے اپنے آپ کو باز رکھے تاکہ حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنا رہے۔

تیسرا: ''المنفق سلعتہ بالحلف الکاذب'' یعنی وہ تاجر جو اپنا سامان جھوٹی قسمیں کھا کر فروخت کرے، سامان کی بِکری کے لئے حق تعالیٰ کا نام لے کر گاہک کو گراں قیمت میں بیچے اور کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے، یا دھوکہ دے کہ آپ نے جو چیز پسند کی تھی وہ یہی ہے، حالانکہ وہ نہ ہو، یا عیب دار چیز دے دے اور کہے کہ میں نے بخدا اسی حالت میں خریدا ہے۔ اور گاہک اللہ تعالیٰ کا نام درمیان میں آجانے سے دھوکہ کھا کر معاملہ کرلے اور نقصان اُٹھائے۔ تاجر اگر نیک آدمی ہو تو بھی اُسے چاہیئے کہ سچی باتوں پر بھی اللہ کی قسمیں کھا کر اُس کے نام کی بےحرمتی نہ کرے۔ جھوٹی قسم کھانا تو اَور بھی بُرا ہے۔

اللہ تعالیٰ تینوں قسم کے گناہوں سے ہماری خاص طور پر حفاظت فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

مسلمانوں کے بدلتے ہوئے حالات میں دعوتِ دین کے جدید تقاضے

از: مدیر

اِن تجربات اور ٹوٹی پھوٹی خدمات میں عمر کی پانچ دہائیاں بیت گئیں، کام تو خیر توفیقِ الٰہی سے جس قدر بھی ہوسکا الحمدللہ بہت کچھ ہوا، میں اس کی ناشکری تو ہرگز نہیں کرتا مگر غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ شائد اور بھی بہت کیا جاسکتا تھا، حق تعالیٰ کوتاہیوں کو اپنے کرم سے معاف فرمائے۔ اللھم انی اشکو الیک ضعف قوتی و قلة حیلتی

میں نے پچاس سال کی عمر تک پہونچ کر (۱۲ر سال قبل) گذشتہ تین دہائیوں کی دین اور علمِ دین کے حوالے سے کی گئی عوامی خدمات کی روشنی میں قوم کی جو صورت حال دیکھی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا نادار و بے علم طبقہ ـــــ جو سَلَم علاقوں اور پس ماندہ بستیوں میں رہتا ہے ـــــ وہ تو ارتداد و پست اخلاقی کا اور اسلام کے کُھلے دشمنوں کا شکار رہے ہی افسوس کی بات یہ ہے کہ مال دار اور تعلیم یافتہ طبقہ ـــــ جو پاش ایریوں اور اونچی سوسائیٹیوں میں رہتا ہے وہ ـــــ بھی الحاد و ارتداد اور اخلاقی گراوٹوں میں اِن سے کم مبتلا نہیں ہے؛ فرق صرف حیثیتوں اور ذرائع کا ہے، اُن کی بے دینی الگ رنگ میں ہے تو اِن کی الگ ڈھنگ میں، وہ سیندھی شراب کی گندگیوں، سودی قرضوں، ناجائز رشتوں اور جسم فروشی کے ذریعہ کسبِ مال میں مبتلا ہیں تو یہ برانڈیڈ اور قیمتی نشوں کے عادی اور پڑھی لکھی اور شان و شوکت والی عورتوں کے ساتھ مستی کر رہے ہیں، اُن کا ارتداد جہل و غربت کی دَین ہے تو اِن کی دین بیزاریاں اور فکری گمراہیاں عصری درسگاہوں کے آزاد ماحول اور ماڈرن سوسائیٹیوں میں بود و باش کا نتیجہ ہیں، ان میں کچھ اگر تھوڑا بہت دینی ذوق بھی رکھتے ہیں تو یا تو برائے نام اور

بہ طور فیشن کے رکھتے ہیں یا پھر نام نہاد اسلامک اسکالرز کے خانہ ساز تصوُّرِ دین سے متأثر ہیں؛ اب اِن دونوں کے درمیان ایک میڈل کلاس اور درمیانی طبقہ ہے جو معاشی اعتبار سے بھی متوسط ہے اور مذہبی شعور کے اعتبار سے بھی بین بین ہے، اس طبقے کی صورتِ حال یہ ہے کہ یہ طبقہ مدارسِ دینیہ، علماء کرام وائمہ مساجد، مختلف دعوتی واصلاحی جماعتوں، تحریکوں اور کاموں سے وابستگی کے نتیجے میں اگر چہ اخلاقی انارکی اور مذہبی درماندگی کا شکار نہیں ہے، نماز روزہ کا پابند اور اپنی اپنی جماعتوں کی سرگرمیوں سے جُڑا ہوا ہے مگر دین کے کامل تصوُّر کو جاننے اور ماننے والے اُن میں بھی بہت کم ہیں، جماعتی شناخت اور مسلکی امتیاز کے شوق نے انہیں تعصُّب وتحزُّب کے دل دَل میں پھنسا رکھا ہے، جس کی وجہ سے یہ طبقہ ــــ جو مذکورہ دونوں طبقوں کا مسیحا ثابت ہوسکتا تھا ـــ باہمی تعاوُن کی دولت سے محروم ہوکر وحدت کی قوَّت کو توڑ چکا ہے، جب کبھی کہیں سے اتحاد کی آواز گونجتی ہے تو اس میں اختلاف کو تسلیم کرنے کی گنجائش کے بجائے اختلاف کو مسلط کرنے کی تنگی ہوتی ہے، نتیجتاً صدا بہ صحرا ثابت ہوتی ہے۔

اس صورتِ حال کا حل دریافت کرنے سے قبل اس کی وجوہات پر ایک نظر ڈال لینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ اتنا تو ہم سب جانتے ہیں کہ اب مسلمانوں کی چھیانوے فی صد تعداد ایسی ہے جو یا تو تعلیم سے محروم ہے یا پھر عصری تعلیم کے اسکولوں سے جُڑی ہوئی ہے، مدارس دینیہ سے اُن کا تعلق نا کے درجے ہی میں ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ چار فی صد مدارسِ دینیہ سے وابستہ مسلمان اِن چھیانوے فی صد مسلمانوں کے دین وایمان کے ذمہ دار ہیں، یہی مدارس دینیہ والا طبقہ علماء/حفاظ/ائمہ/خطباء/مفتیان/اور دُعاۃ وقُضاۃ کے مناصبِ جلیلہ پر فائز ہوتا ہے، اب بھی مسجد ومحراب اُسی طبقے کے قبضے میں ہے، افتاء وارشاد کا بھی یہی طبقہ ذمہ دار ہے، مسئلے مسائل میں بھی بالآخر اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، گویا بیس کروڑ مسلمانوں میں سے چار فی صد رہبرانِ قوم ہیں اور چھیانوے فی صد قوم۔

رہبرانِ قوم اور قوم کے درمیان دین میں، دیانت میں، علم میں، عمل میں اخلاق میں تفاوُت تو معقول وُمسلَّم ہے مگر کیا اُن کے درمیان زبان وبیان میں بھی اجنبیت ومغایرت مُسلَّم ومعقول ہوسکتی ہے؟ اور زبانِ یارِ من تُرکی اور من تُرکی نمی دانم کا عذر قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اس لئے کہ جو راہبر قوم کی زبان نہیں جانتا وہ قوم کی رہبری کیا کرسکتا ہے؟ یہ مسئلہ علماء اور دُعاۃ کو تیار کرنے والوں یعنی ذمہ دارانِ مدارس کے غور کرنے کا تھا مگر کیا ہمارے مدارس میں پڑھنے والے طلبہ اور پڑھانے والے علماء نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے بر وقت غور کیا؟ یہ صحیح ہے کہ مدارسِ دینیہ کا یہ نظام جو گذشتہ دیڑھ سو سال سے ہمارے مُلک میں رائج ہے اُس کی ابتداء

شمالی ہندوستان سے ہوئی ہے، جہاں کے بہت وسیع وعریض علاقے میں پہلے فارسی پھر اردو زبان عام بول چال کی اور تعلیم وتعلّم کی زبان رہی ہے، اُس وقت مسلمانوں کی جو چھوٹی بڑی ریاستیں موجود تھیں اُن میں بھی فارسی اور اردو کا اچھا خاصا چلن تھا، علماء وعوام دونوں کی زبان ایک ہی تھی، نوکریوں اور ملازمتوں کا تعلق بھی اسی میں مہارت سے تھا، لوگ ذوق وشوق سے سیکھتے بھی تھے، اس لئے قوم اور راہ برانِ قوم کے درمیان رابطہ سہل تھا، پیغام رسانی بہت آسان تھی، نہایت فصیح وبلیغ اردو زبان میں کتابیں لکھی جاتی تھیں تو پڑھی بھی جاتی تھیں، مقفّٰی ومسجّع تقریریں کی جاتی تھیں تو سُنی بھی جاتی تھیں، مشاعرے ہوتے تھے تو شعراء کو ایک ایک شعر کی تفہیم نہیں کرنی پڑتی تھی، ادبی محفلوں میں زبان وادب کی دادیں لی اور دی جاتی تھیں، لیکن جب مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا اور فرنگیوں نے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی تو رفتہ رفتہ یہ اردو زبان محدود طبقے میں سمٹ کر رہ گئی، کم از کم بڑے شہروں اور قصبوں میں بالخصوص جنوبی ہندوستان کے علاقوں میں اردو زبان یوں عام بول چال میں موجود ہے مگر سیکھنے سکھانے اور پیغام رسانی کے لئے اس کا استعمال تقریباً ختم ہو چکا ہے، اس وقت جو طبقہ عرف میں تعلیم یافتہ کہلاتا ہے یعنی عصری علوم پڑھا ہوا ہے وہ تو اردو سے بالکل ہی محروم ہے، جو نوجوان اَن پڑھ ہیں اُن کو بھی اور جو پڑھے لکھے ہیں اُن کو بھی خالص اردو پلّے ہی نہیں پڑتی، اس لئے کہ یہ لوگ جس قدر اردو بول سُن لیتے ہیں اس میں بھی بیس تا تیس فی صد انگریزی ملی ہوئی ہوتی ہے، اور اُن سے چھوٹے بچّے تو اب مولویوں تک کے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں یا پھر علاقائی زبانوں کی میڈیم میں!

ایسے حالات میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خالص اردو زبان کے ماہر وادیب علماء کرام اور قوم کے لئے قابلِ فہم زبان سے محروم خطیب وداعی مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کے دینی تحفظ کا فریضہ کیسے انجام دے سکتے ہیں؟ وہ دین اور علمِ دین کا تحفظ تو یقیناً کر سکتے ہیں مگر اپنے سینوں اور کتابوں کے سفینوں میں کر سکتے ہیں، درس گاہوں میں کر سکتے ہیں، مگر محتاجوں کے دِلوں اور زندگیوں میں اس کا تحفظ نہیں کر سکتے، جدید تعلیم یافتہ عوام کی طلب علم اور دین کی پیاس بُجھا نہیں سکتے! وہ کتابیں لکھ سکتے ہیں مگر پڑھوا نہیں سکتے، تقریریں کر سکتے ہیں مگر سمجھا نہیں سکتے، اُن کے دِلوں میں جو شکوک وشبہات ہیں اُن کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ دور کر سکتے ہیں؛ ہاں اس طبقے کے بگاڑ پر افسوس اور اُن کی گم راہیوں کا ماتم کر سکتے ہیں۔

آج میں دیکھ رہا ہوں کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بالخصوص بہت سے نوجوان عُلماء سے محبت رکھتے ہیں مگر استفادہ نہیں کرتے، امام صاحب اور عالم صاحب سے دعائیں کراتے ہیں، وظیفے پوچھتے ہیں مگر بیان نہیں سُنتے، بیان ایسے لوگوں کا سُنتے ہیں جنہیں علماء گُم راہ سمجھتے ہیں، جو خود راہِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں، جو

علم کے بجائے جہل کی تبلیغ کر رہے ہیں اور قرآن وحدیث کا نام لے کر اہوائے نفسانیہ اور اغراضِ شیطانیہ کی طرف بُلا رہے ہیں؛ آج کل بڑی تعداد پڑھے لکھے طبقے کی انہی سے دینی استفادہ کر رہی ہے؛ یہ لوگ علماءِ حق کے درسِ قرآن میں کیوں نہیں بیٹھتے ؟ یہ لوگ علماءِ حق کے بیانات کیوں نہیں سُنتے ؟ یہ لوگ علماءِ حق کا لٹریچر کیوں نہیں پڑھتے ؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ گُم راہ ہو چکے ہیں تو مجھے کم از کم اس سے سب کے حق میں اتفاق نہیں ہے، میرا ماننا ہے کہ یہ گُم راہی کے دہانے پر ضرور کھڑے ہیں اور بعض یقیناً ہو بھی گئے ہیں مگر اس کی وَجہ اُن کی ضد اور علماء سے عناد نہیں ہے بلکہ عُلماء اور اُن کے درمیان زبان وبیان کا تفاوُت ہے، اندازِ تفہیم کی اجنبیت ہے، ایک بڑی تعداد محض اسی وجہ سے صراطِ مستقیم سے ہٹ گئی ہے۔

یہ اسکولوں کے ماحولوں میں پڑھے بڑھے لوگ تھے، اِن کے پیچھے دشمنانِ اسلام نے بڑی محنتیں کی تھیں یہ لوگ اس طرف محض روزی روٹی کے دھوکے میں گئے تھے، وہ دین سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتے تھے، وہ اپنی آخرت برباد کرنا نہیں چاہتے تھے، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ روٹی کا دھوکہ گُم راہی اور بے دینی کا راستہ ثابت ہوگا، مشنری کی تعلیم صرف تعلیم نہیں ہوتی اُس کے ساتھ الحاد و خدا بیزاری کا زہر بھی مِلا ہوتا ہے، اُن کا ایمان کم زور تھا، اور وہ اپنے بچوں کا روشن مستقبل اور اچھی زندگی اسی میں سمجھتے تھے، مگر اس چکّر میں وہ اپنی زبان سے محروم ہوئے ،تہذیب سے محروم ہوئے ،علماء سے دور ہوئے اور ہوتے چلے گئے۔ ایمان نے چُٹکی لی، سینوں میں دَبی توحید کی چنگاری چمکی اور انہوں نے اپنے رب کو جاننا چاہا تو علماءِ حق اُن کی زبان میں اُنہیں مطمئن نہ کر سکے، اور علماءِ سوء نے اُن کی سادگی سے بھر پور فائدہ اُٹھالیا، یہ زبان کا گیاپ کتنا بڑا گیاپ ہے؟ اور اس سے پیدا ہونے والا فاصلہ عامی کو عالم سے کس قدر دور کر دیتا ہے؟ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

(باقی آئندہ[۱])

---

[۱] اس معذرت کے ساتھ کہ اس وقت کاموں کا بوجھ یکسوئی کا موقعہ نہ دے سکا۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

امامۃ بنت حمزۃ بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہا)

حضرت امامہؓ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی صاحبزادی ہیں، ان کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ بنت عمیس بن معد بن تیم بن مالک بن قحافہ بن خثعم ہے جو اسماء بنت عمیس کی ہمشیرہ ہیں، بعض لوگوں نے ان کا نام عمارہ بنت حمزۃ لکھا ہے۔

مکہ سے مدینہ آمد، حضرت جعفرؓ کی تولیت

عمارہ بنت حمزہؓ اور ان کی والدہ محترمہ حضرت سلمیٰ بنت عمیسؓ مکہ میں تھیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع سے مکہ تشریف لائے تو علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ہم اپنی چچازاد بہن کو مکہ میں مشرکوں کے بیچ کیوں چھوڑیں؟ دیگر روایات میں یہ تذکرہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوڑیں، اے میرے چچازاد بھائی! مجھے اپنے ساتھ لے لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرمایا: اپنے والد کی چچازاد بہن کو اپنے ساتھ لے لو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو انہیں مدینہ لانے کی اجازت مرحمت کی، ان کی تولیت اور نگرانی کے سلسلہ میں زید بن حارثہؓ اور علی بن ابوطالبؓ کی بیچ گفتگو ہوئی حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت حمزہؓ ان دونوں میں مواخاۃ تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیت کی تھی، انہوں نے امامہ (رضی اللہ عنہا) کو اپنے پاس رکھنے کا دعویٰ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنی بھتیجی کا زیادہ حق دار ہوں، حضرت جعفرؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کیوں اس کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا میری نکاح میں ہیں اور خالہ بمنزلہ والدہ کے ہوتی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا: میری چچازاد بہن کے سلسلے میں تم کیوں جھگڑ رہے ہو؟ میں نے ہی اسے مشرکین کے درمیان سے نکال کر لایا ہے، میرے سوا تمہارا اس سے کوئی رشتہ نہیں میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

تمہارے درمیان فیصلہ کئے دیتا ہوں، زید (رضی اللہ عنہ): تم اللہ کے اور اس کے رسول کے آزاد کردہ غلام ہو، اور اے علی! (رضی اللہ عنہ) تم میرے بھائی اور میرے صحابی ہو، اور اے جعفر! (رضی اللہ عنہ) تم صورت وسیرت میں میرے مشابہ ہو اور ہاں اے جعفر! تم ہی اس کے زیادہ حقدار ہو؛ کیوں کہ اس کی خالہ تمہاری زوجیت میں ہوئی اور خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمادیا، محمد بن عمر کہتے ہیں: جعفر (رضی اللہ عنہ) اس فیصلہ سے خوش ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اٹھلا کر چلنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا؟ تو بولے؟ جب نجاشی کسی کو منانا تھا تو اسی طرح چلا کرتا تھا۔ پھر یہ اپنی خالہ کے یہاں پلی بڑھیں، جب یہ نکاح کی عمر کو پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے نکاح کے سلسلے میں کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو میری رضاعی بھتیجی ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۵۸، دار صادر بیروت، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۲۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امامہ بنت حمزہؓ (رضی اللہ عنہا) کی والد کی قبر کی زیارت کی تمنا

حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ سے واپس آئے ہیں تو امامہ بنت حمزہ بن عبد المطلب کو بھی اپنے ساتھ لے کر آئے، جب حضرت امامہ رضی اللہ عنہا مدینہ آئیں تو اپنے والد محترم کی قبر کے متعلق دریافت کرنے لگیں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے یہ اشعار کہے:

تسائل عن قرم هجان سميدع　　لدى البأس مغوار الصباح جسور
فقلت لها: إن الشهادة راحة　　ورضوان رب يا أُمام غفور
دعاه إله الخلق ذو العرش دعوة　　إلى جنة فيها رضا وسرور

وہ ایک بہادر، شریف النسل سردار کے بارے میں پوچھتی ہے جو جنگ کے موقع پر صبح کے وقت حملہ کرنے والا جرائت مند انسان تھا، میں نے اس سے کہا: اے امامہ! شہادت راحت اور رب غفور کی رضامندی ہے، اسے مخلوق کے پروردگار، عرش والے نے ایسی جنت کی طرف بلایا ہے جس میں رضامندی اور خوشی ہے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۲۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح مطالبہ اور انکار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے بارے میں یہ چاہا گیا کہ ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوجائے، فرمایا: وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہیں، اور جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہی رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۵۸، دار صادر، بیروت)

حضرت حمزہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوتے ہیں، کیوں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہالہ بنت اہیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔

حضرت اُمامہؓ کا حضرت سلمہ بن ابوسلمہ (رضی اللہ عنہ) سے نکاح

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت سلمہ بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کیا، فرمایا: کیا میں نے ابنِ ابوسلمہ کو بدلہ نہیں دے دیا؟ جس کی وجہ یہ تھی سلمہ (رضی اللہ عنہ) نے ہی اپنی والدہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمادیا تھا۔ (اسد الغابۃ: ۲۱/۶، دار الفکر، بیروت)۔

روایات میں ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ان کی وداعی نہیں ہوئی، چونکہ حضرت سلمہ کو کمزوری لاحق ہوئی تھی ''لأنہ أصابہ خبل وإکسال''۔

(الوافی بالوفیات، امامۃ بنت حمزۃ بنت عبد المطلب: ۹/ ۲۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وفات:

ان کی وفات بلاذری کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ عراق کی جنگ کے موقع سے مسلمانوں کے ساتھ شریک رہیں اور قتال کیا اور ایک دیہاتی کو قتل کیا، وہاں سے لوٹنے کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ (الوافی بالوفیات، امامۃ بنت حمزۃ بنت عبد المطلب: ۹/ ۲۱۷، مزید دیکھئے، کتاب جمل من أنساب الأشراف، للبلاذری: ۱۷۹۶/۴، دار الفکر، بیروت)

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی ودعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہوجایئے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

اصلاحی مضامین

ماہِ صفر المظفر: انسانی تصور اور قرآنی دستور

از: مولانا محمد معراج حسامی*

خدا تعالیٰ کا دین تمام انسانیت کے لئے مکمل دستور حیات و منشور زندگی ہے، جملہ نقائص سے منزہ و مبرا ہے، تمام تر تعلیمات پایۂ تکمیل کو پہونچ چکی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے" آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور دین کے) پسند فرمایا " لہٰذا اس دین مبین میں بدعات وخرافات، باطل نظریات وتصورات کو جگہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں، ہر فرد کو عقل ونقل کے تناظر میں اپنے افکار وخیالات کا صحیح موازنہ کرنا چاہیے؛ تاکہ کوئی عمل صراط مستقیم سے اور اسلامی تقاضوں سے سرتابی نہ کرے۔

ایک حقیقت

مگر آج زندگی کے جس شعبہ کی طرف بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں امت میں زوال وانحطاط روز افزوں ہے معاشرتی، سماجی اور اعتقادی برائیاں ہر فرد کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں، شرافت و اخلاق سے سماج بے عبارت ہے، بے دینی و بے راہ روی کی مسموم فضا چل رہی ہے، آج بھی ماہ صفر المظفر کے بارے میں بدفالی، بدشگونی، تیرہ تیزی وغیرہ جیسے جاہلی تصورات سماج میں پنپ رہے ہیں، حالانکہ جو چیزیں ظہورِ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں رَوا سمجھی جاتی تھیں اُنھیں اسلام اپنے پیروں تلے روند چکا ہے اس کے باوجود باطل توہمات ونظریات اب بھی شباب پر ہیں، کسی کام کے بہتر نتائج کے ظاہر ہونے پر اپنی قدرت وکمال کا خبط اور برے انجام پر خدائی فیصلوں پر گلہ وشکوہ جاہلی تخیلات کی دَین ہے، بدلتے حالات سے جلد ناامیدی نے انسان کو تخیلات کی دنیا میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ بہ قول شاعر ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

ماہ صفر کے بارے میں چند بے بنیاد انسانی نظریات:-

ذیل میں قدرے اختصار کے ساتھ ان بے ہودہ تفکرات کو نقل کیا جاتا ہے جن کی کتاب وسنت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور شارحین محققین میں سے علامہ شوکانی، ملا علی قاری اور علامہ عجلونی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں ان چیزوں کو بے حقیقت اور بے اصل بتلایا ہے۔

● ماہ صفر میں بلیات ومصائب بکثرت آسمان سے نازل ہوتی ہیں؛ بلکہ سال میں دس لاکھ اسی ہزار بلائیں اور مصائب آتے ہیں ان میں سے کچھ کم ہو کر ماہ صفر میں 9 لاکھ بیس ہزار بلائیں اترتی ہیں۔

● یہ مہینہ نحوست کے قابل ہے اس لئے کہ اس میں خدا کی برکتیں رحمتیں خالی جاتی ہیں۔ نئے شادی شدہ جوڑوں کی اس ماہ کی پہلی تیرہ تاریخوں میں ایک دوسرے سے علیحدگی کردی جاتی ہے۔

● اس ماہ میں شادی بیاہ اور دیگر تقاریب انجام دینے، نئے مکانات بنانے، اور اس میں منتقل ہونے، اور نئی تجارت میں مشغول ہونے سے بچنا چاہیئے کیوں کہ اس ماہ میں یہ کام قابل نحوست ہیں۔

● خصوصاً ماہ صفر میں یہ بھی تصور عام ہے کہ تیرہ تاریخوں کو تیرہ تیزی کا نام رکھتے ہوئے ان دنوں میں اپنے استعمالی چیزیں مثلاً تیل، انڈے بھلاویں وغیرہ صبح خیرات کردی جاتی ہیں۔

● قرآن کریم کی چند آیات (سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ، سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ، سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ، سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ) کسی کاتب سے لکھوا کر ان کو پانی میں گھول کر پیا جاتا ہے تاکہ آنے والی مصیبت وپریشانی سے چھٹکارہ مل جائے۔

● ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کے متعلق بھی بعض مخصوص اعمال کو ضروری خیال کیا جاتا ہے، مثلاً روزے کا اہتمام، خاص انداز سے چاشت کے وقت نوافل کا اہتمام، مکانات سے دور کسی خوشگوار مقام پر تفریح کے لئے نکلنا، اس دن کوئی کاروبار نہ کرنے کا التزام، ماہ صفر کے ختم ہونیکی خوشخبری دینے والے کو جنت کا حقدار ہونے کی موضوع روایت کو عام کر کے دعوتی پیغام دینا، وغیرہ۔ اعاذنا اللہ منہم

قرآن کا پیغام انسانیت کے نام:

ان تمام تصورات سے قطع نظر، جب بھی انسان قرآن کریم کھولے، اپنے خیالاتِ فرسودہ اور قرآنی تعلیماتِ بلیغہ کا تجزیہ کرے تو یہ بات واضح ہوگی کہ قرآن کریم نے انسانیت پر مصائب وشدائد کے آنے اور منافع وفوائد پانے کے عموماً دو ذرائع بتائے ہیں (1) مصائب اور بھلائیاں تقدیرِ الٰہی سے وجود میں آتی ہیں نہ کہ کسی مکان وزمان کی نحوست سے۔ (2) انجام کار انسان کے اچھے یا برے اعمال پر موقوف ہے جس قسم کے

اعمال ظاہر ہوں گے ویسے ہی نتائج برآمد ہوں گے۔

ارشاد باری ہے" اگر آپ کو کوئی راحت آسائش یا بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے ہے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو اپنے اعمال کی وجہ سے ہے" (النساء:۷۹)

ایک اور جگہ پر فساد و مفاد کے ذرائع کو انسان کی شامت اعمال کا موجب بتلایا ہے" زمین اور سمندر میں فساد ظاہر ہونا، انسانوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے" (الروم:۴۱)

ایک اور موقع پر تصور میں ذہن کو مصروف رکھنے سے زیادہ خدا کی ذات پر توکل رکھنے کی تلقین کی گئی ہے:

" اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے ہمیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا اللہ جل شانہٗ نے ہماری تقدیر میں ازل سے لکھ دیا ہے وہی ہمارا حامی و ناصر ہے، اسی ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے" (التوبہ:۵۱)

رسول کریم ﷺ نے ماہ صفر کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ بھی کیا" لا عدوی و لا طیرۃ و لا ھامۃ و لا صفر " (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) چھونے سے دوسرے کو بیماری لگ جانے (کا عقیدہ)، پرندے سے بدشگونی (کا عقیدہ) بے حقیقت ہے، نہ اُلّو کا بولنا (کوئی بُرا اثر رکھتا ہے)، اور نہ ہی ماہِ صفر منحوس ہے۔

(بخاری: کتاب الطب، ج ۳ رقم ۵۷۶۹)

ایک اور حدیث قدسی میں زمانے کو برا کہنے کی ممانعت آئی ہے:

" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں صاحب زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں معاملات ہیں رات دن کو بدلتا ہوں۔ (بخاری کتاب التفسیر، ج ۲ رقم ۴۸۲۶)

ایک مسلمان ہونے کا لازمی امر ہے کہ پوری زندگی اسلام کے سانچے ڈھل جائے، اس کے احکام کو اپنی ذات کے لئے خدا کی رحمت تصور کرے، یہ خیال دل و دماغ سے نکال دے کہ ماہ و سال میں کوئی مہینہ، شب و روز میں کوئی دن یا رات منحوس ہوتی ہے اور اس میں کام کاج ترک کر دینا چاہیئے، جب کہ اُس کا اعتقاد ہے کہ کارخانۂ قدرت میں کوئی چیز بُری نہیں ہوتی، ہر چیز اس کے علم و حکمت کے مطابق کسی نہ کسی خیر سے جُڑی ہے کسی انسان کی کم عقلی اور کور چشمی اس کو نہ پا سکے تو نہ پائے؛ لیکن ایمان والے کو" و القدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ " کے عقیدہ کو تازہ رکھنا چاہیئے، اس سے متعلق آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کو بار بار غور سے پڑھنا اور ایمان و یقین کو درست، اعمال و افعال کو بلکہ تخیلات و تصورات کو مومنانہ بناتے رہنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ تمام امت مسلمہ ایمان کامل اور یقین وافر نصیب فرمائے۔ آمین

اصلاحی مضامین

مسلمانوں کی پانچ بیماریاں

از: مولانا سید احمد ومیض ندوی*

پڑوسی مسلم ملک کے ایک مصروف کالم نگار اپنے ملک میں موجود ایک یوروپی ملک کے سفیر سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔ یوروپی ملک کا ان کا یہ سفیر دوست عام سفیروں کی طرح نہ تھا بلکہ سفیر کے ساتھ وہ ایک دانشور اور تجزیہ نگار بھی تھا۔ قوموں کے عروج وزوال کا مطالعہ اس کا محبوب مشغلہ تھا، بقول ان کالم نگار کے ان کا سفیر دوست جب گفتگو کرتا اور دلائل دیتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ غبار چھٹ رہا ہے اور حقیقتیں ایک ایک کر کے سامنے آرہی ہیں۔ ماضی کے تجزیوں کی بنیاد پر وہ مستقبل کی ایسی پیشین گوئی کرتا کہ آنے والا زمانہ نظروں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ مذکورہ معروف کالم نگار نے اپنے یوروپی سفیر دوست کے ساتھ ہوئی آخری ملاقات کی تفصیلات اپنے ملک کے ایک روزنامے میں شائع کی ہے چونکہ اس گفتگو میں مسلمانوں کے تعلق سے اس یوروپی سفیر کے تاثرات میں ہم سب مسلمانوں کے لئے غور وفکر کے ان گنت گوشے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کے الفاظ میں اس گفتگو کو من وعن نقل کر دیا جائے۔ کالم نگار موصوف تحریر کرتے ہیں:

''جس دن مجھے اطلاع ملی کہ طویل قیام کے بعد وہ یہاں سے واپس جا رہا ہے اور انہیں فرائض منصبی کو اب کسی اور ملک میں سرانجام دے گا تو میں نے اس سے درخواست کی کہ روانگی سے پہلے میرے ہاں آئے اور کچھ وقت گزارے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ہمارے ملک میں تم نے اتنے سال گزارے۔ مشاہدہ کیا۔ طول و عرض میں گھومے پھرے۔ شہر، قصبے اور قریے دیکھے عوام اور خواص سے ملاقاتیں کیں۔ سیاست داں، نوکرشاہی فوج سب کو قریب سے دیکھا، تم کس نتیجے پر پہنچے اور ہمارا مستقبل تمہیں کہاں اور کیسا نظر آرہا ہے؟ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرے گا۔ تاہم کچھ دیر کے بعد اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا ''میں یہاں آنے سے پہلے بہت سے ملکوں میں رہا۔ مسلمان ملکوں میں بھی مغربی ملکوں میں بھی اور مشرق بعید کے ملکوں میں بھی۔ میری سوچی سمجھی رائے تمہارے ملک کے بارے میں یہ

*استاذ حدیث دار العلوم حیدرآباد

ہے کہ یہاں بے پناہ ٹیلنٹ ہے۔ترقی کے لامحدود امکانات ہیں لیکن تمہارے قومی جسم کو چند بیماریاں لاحق ہیں اور یہ بیماریاں ٹیلنٹ کو کچھ نہیں کرنے دیتیں۔

پہلی بیماری تم لوگوں کی انتہائی درجہ کی جذباتیت ہے جو تمہیں سوچنے سمجھنے سے تجزیہ کرنے سے اور دعویٰ کا ثبوت دیکھنے سے روکتی ہے۔اس کی وجہ تعلیم کا نہ ہونا ہے یا ایک تاریخی روایت کا تسلسل ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام جذبات کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔میں یہ سن کر حیران ہوتا ہوں کہ تحریک پاکستان میں عوام تمہارے محبوب قائد کی تقریر انگریزی میں سنتے تھے اور بغیر سمجھے لبیک کہتے تھے۔یہ بات فخر سے بیان کرتے وقت تم لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ یہی وہ عوام ہیں جو بغیر سوچے سمجھے ہر بھٹو ہر جمشید دستی ہر پیر سپاہی ہر نجومی اور ہر تعویذ فروش کو کامیاب کراتے ہیں اس جذباتیت کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ تم لوگ کسی ثبوت کسی شہادت کے بغیر اپنی رائے کی درستی پر اصرار کرتے ہو اور مرنے مارنے پر تل جاتے ہو۔ کچھ لوگ آنکھیں بند کر کے طالبان کو الزام دیتے ہیں اور کچھ امریکہ کو اور ثبوت دونوں کے پاس نہیں ہیں اور یہ صرف ایک مثال ہے۔

تم لوگوں کو لاحق دوسری خطرناک بیماری یہ ہے کہ تم قانون کو فیصلہ کرنے نہیں دیتے اور خود فیصلہ کرتے ہو۔ یوں ہر شخص کا فیصلہ مختلف ہوتا ہے۔ جب بھی ٹریفک حادثہ ہوتا ہے اور ایک منٹ سے کم عرصہ میں لوگ وہاں جمع ہوجاتے ہیں تو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ چھوڑیں۔کوئی بات نہیں۔کوئی ایک شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ آپ کے درمیان پولیس فیصلہ کرے گی آپ اس حد تک قانون سے بھاگتے ہیں کہ اپنے اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ذاتی رائے کو ترجیح دیتے ہیں آپ کا پسندیدہ رہنما کرپشن کرے تو آپ کی رائے یہ ہوتی ہے کہ سارے کرپشن کرتے ہیں۔آپ کا پسندیدہ رہنما کسی کو قتل کردے یا کرادے تو لاکھوں لوگوں کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ آخر بادشاہ قتل کراتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ناجائز زمین پر مسجد بنائی جائے تو اسلامی قانون کو پس پشت ڈال کر صرف یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کا گھر ہے۔ جہاں بھی بن جائے۔اگر اس رویہ کے بجائے تم لوگوں کا رویہ یہ ہوجائے کہ ہر مقابلہ میں قانون کا فیصلہ دیکھا جائے اور اپنی رائے نہ دی جائے،تو تم لوگوں کی حالت ہی بدل جائے۔

تمہاری تیسری بیماری یہ ہے کہ تم لوگ دوسرے سے رابطہ صرف اس وقت کرتے ہو جب تمہارا اپنا کام ہوتا ہے لیکن جب تمہارے ذمے دوسرے کا کام ہو تو تم رابطہ نہیں کرتے۔دنیا میں جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں وہ اس بے حد خطرناک بیماری سے پاک صاف ہیں جس کے ذمے جو کام ہے وہ اسے پورا کر کے متعلقہ شخص کو یا ادارے کو مطلع کرتا ہے اور اگر نہیں کرسکتا تب بھی اطلاع دیتا ہے تمہارے معاشرہ میں ایک غدر برپا ہے سائل

مسؤل کے پیچھے قرض خواہ مقروض کے پیچھے آجر مزدور کے پیچھے بھاگ رہا ہے، جس جگہ پہنچنا ہے وہ وہاں پہنچتا ہے۔ نہ کچھ بتاتا ہے، جس نے کام کردیا وہ بھی نہیں بتاتا کہ کام ہو چکا ہے۔ جس نے کام نہیں کیا وہ بھی خاموش ہے یا غائب ہے۔ یہ جہالت ہے یا غیر ذمہ داری ہے۔ جو کچھ بھی ہے تمہارے وسائل کو ضائع کر رہی ہے۔

چوتھی خطرناک بیماری یہ ہے کہ تمہاری اکثریت مذہب کو ذاتی اصلاح کے بجائے مالی فائدہ کے لئے استعمال کررہی ہے اور تم لوگوں کو اس کا احساس تک نہیں۔ اسلام کا اولین مقصد فرد کی اصلاح ہے لیکن اسلام کے جو اصول فرد کی اصلاح کے لئے تیر بہدف ہیں انہیں آج ترقی یافتہ ملکوں کے لوگ استعمال کررہے ہیں اور مسلمان انہیں رات دن پیروں تلے روندرہے ہیں۔ صرف ایک مثال دیکھ لو کہ وعدہ خلافی تمہارے معاشرہ میں اس قدر عام ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اسے برا سمجھتا ہے۔ جھوٹ کی وہ کثرت ہے کہ گھر، بازار دفتر، سیاست، تجارت، مسجد ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ تاجر اپنی اشیاء بیچنے کے لئے لوگوں کے مذہبی جذبات کا بے تحاشا استحصال کررہے ہیں۔ شہد بیچتے وقت اسے اسلامی شہد کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے کسی ملک میں عیسائی ہندو یا یہودی شہد نہیں دیکھا۔ دکانوں کا نام مدینہ مکہ اسلامی اور حرمین رکھا جاتا ہے تاکہ جذبات سے کھیلا جائے۔ لالچ اور سنگدلی کی انتہا یہ ہے کہ نہاری اور پان تک تم لوگ اپنے رسول کے نام پر بیچ رہے ہو اور اس توہین پر کسی کو شرم نہیں آتی ہے نہ افسوس۔ مذہبی رہنماؤں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہاری آمدنی کے ذرائع کیا ہیں اور مدرسوں میں پڑھانے والے مفلوک الحال علماء اور مدرسوں کے مالکان سے نہیں پوچھتے کہ تمہارا معیار زندگی کروڑ پتیوں جیسا کس طرح ہوگیا ہے؟

تمہاری پانچویں بیماری یہ ہے کہ افریقی ممالک کو چھوڑ کر تم شاید دنیا میں سب سے زیادہ گندے ہو، جتنے گندے تمہارے مسجدوں کے طہارت خانے ہیں اتنے گندے میں نے کسی اور مسلمان ملک میں نہیں دیکھا۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب میں نے دیکھا کہ وضو کرنیکی جگہ ایک مسواک رکھا ہوتا ہے اور ہر شخص آکر اسے استعمال کرتا ہے۔ تم لوگوں کو دھول اور گرد سے گھبراہٹ ہوتی ہے نہ ٹھہرے ہوئے گندے پانی سے گھن آتی ہے، مکان تعمیر کرنے والا تمہاری پوری سڑک پر ریت اور سیمنٹ ڈال دیتا ہے۔ لیکن کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔ تمہارے ٹاپ کے شہروں میں لوگ چلتی گاڑیوں سے پھلوں کے چھلکے اور سگریٹ کی خالی ڈبیاں سڑک پر پھینک دیتے ہیں اور نہ کسی کو شرم آتی اور نہ کوئی اعتراض کرتا ہے۔

''کاش! تم لوگ پوری دنیا کی اصلاح کرنے کے بجائے کچھ وقت ان پانچ بیماریوں کی فکر بھی کرو جنہوں نے تمہارے جسم کو تعفن میں ڈال رکھا ہے''۔ (نوائے وقت۔ ۷ مئی ۲۰۱۲ء)

اہلِ مغرب میں پائی جانے والی بے شمار خرابیوں کے اعتراف کے باوجود مذکورہ مغربی سفارت کار نے مسلمانوں کی جن بیماریوں کا تذکرہ کیا ہے وہ سو فیصد درست ہیں۔ ہمارے اندر بے انتہاء جذباتیت ہے۔ ہم اکثر و بیشتر ہوش کھو کے نرے جوش سے کام لیتے ہیں جس کے نتائج عموماً ہولناک تباہی کی شکل میں نکلتے ہیں۔ ہم میں اکثر دوسروں سے اسی حد تک رابطہ رکھتے ہیں جب تک اس سے اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ ہم میں تعلیم کی بڑی کمی ہے۔ ہماری ملت کی اکثریت صفائی ستھرائی کا اہتمام نہیں کرتی ہم میں سے بہت سے لوگ مذہب کو ذاتی اصلاح کے بجائے مالی فائدہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دین ہمیں ان ساری بیماریوں سے پاک کرتا ہے۔ ہمارے دین کی بے شمار معاشرتی اور انسانی و اخلاقی تعلیمات کو اہل یوروپ نے اپنایا ہے یہاں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے اس ملفوظ کو دہرانا بجا معلوم ہوتا ہے جسے ان کے لائق فرزند شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے اپنے دورۂ ہند کے موقع پر ایک خطاب میں کہا تھا۔ حضرت فرماتے ہیں ''حق میں دبنے کی صلاحیت نہیں حق ہمیشہ سر بلند رہنے کے لئے آیا ہے الحق یَعلُو و لا یُعلیٰ حق تو ہمیشہ سر بلند ہوگا اور باطل غالب ہونے کے لئے نہیں بلکہ مغلوب ہونے کے لئے آیا ہے ''ان الباطل کان زھوقا'' باطل مٹنے اور مغلوب ہونے والی چیز ہے وہ غالب ہونے والی چیز نہیں۔ اگر کسی باطل قوم کو دیکھو کہ دنیا میں ترقی کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے جو اس کو ابھار رہی ہے اور اگر کسی حق قوم کو دیکھو کہ پستی کی طرف جا رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ باطل قومیں ترقی کرتی ہیں تو باطل کی وجہ سے نہیں بلکہ کوئی حق کی صفت اختیار کرنے کی وجہ سے باطل کو ترقی ملتی ہے۔ عرصہ دراز سے اہل مغرب کو دنیا میں ترقی مل رہی ہے اس لئے کہ ان کے اندر حق کی کچھ صفات ہیں جس کو انہوں نے اپنی زندگیوں میں اختیار کر لیا ہے''۔

اس کے بعد مولانا تقی عثمانی اہلِ مغرب میں پائی جانے والی حق کی صفات کی وضاحت کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں ''بیشتر مغربی ممالک میں یہ معاملہ ہے کہ ان کے یہاں جو مال بک رہا ہوگا وہ لوگ اس کی حقیقت پوری طرح واضح کر دیں گے کہ اس کے اندر فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے۔ پھر اگر کسی خریدار کی خرید نے کے بعد رائے بدل گئی ایک مہینہ تک بھی اگر واپس سامان لے جا کر دیتا ہے تو بلا تامل اس کو واپس لیا جاتا ہے۔ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا جس کو انہوں نے اپنی تجارت میں اختیار کر لیا اس کے برخلاف ہمارے یہاں بورڈ لگا ہوتا ہے کہ ''خریدا ہوا مال واپس نہیں لیا جائے گا''۔ یہ بات مغرب میں رہنے والا ہر ایک جانتا ہے کہ اگر کسی نے ٹیلی فون ملایا اور اس میں غلط نمبر مل گیا تو اگر وہ شخص ٹیلی فون کمپنی کو فون کر کے کہہ دے کہ مجھ سے

غلط نمبر مل گیا تو ٹیلی فون کمپنی مان لیتی ہے اور اس کے بل چارجز ختم کر دیئے جاتے ہیں جبکہ بعد میں ہمارے لوگ وہاں پہنچے، انہوں نے کالیں کرنی شروع کر دی اور کمپنی کو فون کر کے کہہ دیا کہ یہ رانگ نمبر مل گیا، تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو سہولت میسر تھی وہ بھی ختم ہو گئی''۔ (خطبات دورۂ ہند: ۱۳۰، باختصار)

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی صفات سے عاری ہوتے جارہے ہیں اور غیر ان صفات کو اپنا رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے دنیوی دستور کے مطابق انہیں کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ اس حقیقت کو صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے اچھے پیرایے میں بیان کیا ہے، ایک مرتبہ حضرات صحابہ آپس میں احادیث کا تذکرہ کر رہے تھے حضرت مستور قریشی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سنائی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تقوم الساعة والروم اکثر الناس''۔ قیامت کے قریب رومی (عیسائی) لوگ بہت زیادہ تعداد میں ہوں گے''۔ مجلس میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اس حدیث کو سن کر چونک گئے اور کہنے لگے ''مستور! ذرا سوچ کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟''۔ مستور نے کہا میں وہی کہہ رہا ہوں جسے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر فی الواقع یہ حدیث صحیح ہے کہ قیامت کے قریب عیسائیوں کی کثرت ہوگی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں (جو ان کی ساری ترقی کی ضامن ہیں) (۱) وہ فتنہ وفساد کے وقت ہوش سے کام لیتے ہیں جوش میں نہیں آتے۔ (۲) وہ مصیبت اور حادثہ میں مبتلا ہو کر جلد ہی سنبھل جاتے ہیں۔ (۳) انہیں اگر میدان سے بھاگنا پڑے تو جلد تیاری کر کے دوبارہ حملہ آور ہوتے ہیں (مایوس ہو کر نہیں بیٹھتے)۔ (۴) مسکین، یتیم اور کمزوروں کے حق میں وہ بہت اچھے (مددگار) ثابت ہوتے ہیں اور (۵) ایک اچھی صفت ان میں یہ ہے کہ وہ بادشاہوں کو مظالم سے روکنے والے ہیں۔ (مسلم شریعت: ۲/ ۲۹۲)

ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اپنے اندر پائی جانے والی ان بیماریوں کو دور کرے جو اس کے جسم کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں۔ ورنہ وہ اس طرح اقوام عالم کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتی رہے گی اور اسے جرم ضعیفی کی سزا ''مرگِ مفاجات'' کی شکل میں بھگتنا پڑے گا۔ اس وقت پورے عالم میں سب سے زیادہ اگر کسی قوم کا لہو ارزاں ہے تو وہ مسلمان ہیں، برما میں کس بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا ہر شخص جانتا ہے۔ ہمارے ملک میں آسام کا سانحہ ابھی تازہ ہے۔ ان حالات کے باوجود اگر ہم ہوش کے ناخن نہ لیں تو پھر ہماری بے حسی ہمیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔

اصلاحی مضامین

زندگی نام ہے حرکت و عمل کا نہ کہ جمود و تعطل کا

مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

زندگی کیا ہے؟ ایک فلسفہ ہے، جس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے لوگوں نے اپنی زندگیاں کھپادیں، کچھ تو وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک زندگی کا فلسفہ قرآن مجید کے الفاظ میں اس طرح ہے: مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ دنیاوی زندگی بس اسی کا نام ہے کہ زندہ رہیں اور مرجائیں اور مرنا بھی حکمِ الٰہی ومشیتِ خداوندی سے نہیں، بلکہ گردشِ زمانہ کی موت مرنا ہے۔ (سورۃ الجاثیہ: ۲۴) ایسے لوگ ''دھریہ'' کہلاتے ہیں، انہیں دین مذہب اور اللہ ورسول سے کوئی مطلب وسروکار نہیں ہے، ان کے نزدیک کائنات کا ہر عمل اور موت وزندگی کی ہر حرکت حالات وزمانہ کی مرہونِ منت ہے، جب تک زمانہ ہے کائنات کی یہ رنگارنگی اور زندگی کی بھاگ دوڑ ہے، پھر جب حالات اور زمانہ ختم ہوجائے گا ہر چیز اپنے آپ فنا ہوجائے گی، زندگی کا فلسفہ اور خلاصہ ان کے یہاں بس اتنا ہے کہ کھاؤ پیو، موج مستی کرو اور دنیا سے چلے جاؤ، نہ آخرت میں بازپُرس وجوابدہی کا احساس اور نہ حساب وکتاب کا عقیدۂ واعتقاد۔

کسی دن صبح آپ شہر کے کسی مصروف ترین چوراہے یا شاہراہ پر نکل جائیں اور شاہراہ کے ایک جانب ہوکر ایک سرسری اور اچٹتی نگاہ آپ انسانوں کے سیلِ رواں پر ڈالیں، اِدھر سے اُدھر گذرنے والا مختلف گاڑیوں اور ٹھیلہ بنڈیوں کا ریلا آپ کو نظر آئے گا، اس میں خوشنما وخوبصورت اور آرام دہ کاروں میں سوار برسرروزگار اعلیٰ عہدیدار اور اہل ثروت مالدار بھی نظر آئیں گے، غریب پسینہ میں شرابور، محنت ومزدوری سے چُور رکشاراں اور ٹھیلہ بنڈی والے خستہ حال افراد بھی، سماج کا ہر فرد اپنی حیثیت اور قسمت کے مطابق زندگی کی گاڑی کھینچ رہا ہے، کوئی پٹرول وڈیزل کے ساتھ تو کوئی اس کے بغیر ہی سہی۔

حرکت وعمل کے اس مجسم نمونہ اور مشاہدہ کو دیکھ کر بعض لوگ زندگی کا فلسفہ معدہ اور پیٹ بتاتے ہیں اور بس! اس کے آگے کچھ نہیں، مطلب یہ کہ زندگی کی یہ روانی اور بھاگ دوڑ صرف اس وجہ سے ہے کہ انسان اور

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھرا

اس کے اہل وعیال کو کھانے کے دو لقمے اور روٹی کے دو ٹکرے مل جائیں، ایسے لوگ روزگار اور کمائی کے سلسلہ میں خود کو آزاد اور خودمختار سمجھتے ہیں، حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی باتیں انہیں غیر ضروری پابندیاں اور خواہ مخواہ کی حد بندیاں معلوم ہوتی ہیں، کسی بھی ذریعہ سے روپیہ پیسہ بٹورنے اور اپنے لیے مال و دولت جمع کرنے کو وہ اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ رشوت، دھوکہ وفریب اور دھونس و جمائی کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام ایک دینِ حق ہے، قانونِ فطرت ہے، زندگی کا کامل ومکمل دستور ہے، زندگی سے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر مذکورہ بالا دونوں فلسفہ سے بالکل الگ اور جداگانہ ہے، اسلام کے فلسفۂ زندگی میں جمود وتعطل کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں، اسلام، زندگی میں ''جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم'' کا داعی اور حامی ہے، مگر اتنا بھی نہیں کہ انسان شتر بے مہار اور بے لگام ہوجائے، زندگی میں حرکت وعمل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ زندگی کورواں دواں رکھے، اس کی حرکت وعمل میں خالق کی اطاعت ہو، مخلوق کی راحت ہو اور خود اپنے لیے آرام واطمینان اور باوقار زندگی کا سامان ہو، اسلامی نقطۂ نظر سے زندگی نام ہے بندگی کا، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: میں نے تمام انسان اور جنات کو صرف میری عبادت کے لیے پیدا کیا۔(سورۃ الذاریات:۵۶) عبادت وبندگی زندگی کے ہر شعبہ اور میدان میں خدا تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کی فرمانروائی تسلیم کرنے کو کہتے ہیں۔

زندگی میں جمود وتعطل سستی وکاہلی کا نام ہے، سستی وکاہلی وقت کی ناقدری اور صحیح استعمال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے، وقت کی قدر وقیمت کا احساس وشعور جس میں ہو اس کی زندگی حرکت وعمل سے عبارت ہوتی ہے اور وہ اپنے زمانہ کا کامیاب انسان کہلاتا ہے، اسلام میں وقت کی اہمیت اور اس کی رعایت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نظامِ عبادت اوقات کے ساتھ مربوط ومخصوص ہے، نمازوں کے اوقات متعین ہیں، فجر کی نماز ظہر کے وقت نہیں پڑھی جاسکتی، روزوں کے واسطے رمضان کا مہینہ خاص ہے، حج اور قربانی کے لیے چند مخصوص ایام ہیں، غرض یہ کہ کوئی ایسی عبادت اور فریضۂ بندگی نہیں کہ جس کے لیے وقت متعین نہ ہو، قرآن مجید میں ''سورۃ العصر'' کے نام سے ایک مختصر سورت موجود ہے، اس میں زمانہ کی قسم کھائی گئی، کسی چیز کی قسم کھانا اس کی اہمیت اور عظمت کو بتلانا ہوتا ہے، چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہ کرامؓ جب آپس میں ملتے تو اس سورت کا مذاکرہ کرلیتے، تاکہ وقت کی قدر وقیمت اور اس کی اہمیت ذہن میں تازہ رہے۔

اس سورت کے علاوہ قرآن مجید کی ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں بامقصد زندگی گذارنے اور اپنی زندگی کا محاسبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ

وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (سورۃ الحشر:۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس کو چاہیے کہ وہ دیکھ لے اور غور کرلے اس چیز کو جو کچھ وہ آگے بھیج چکا ہے یا بھیج رہا ہے، ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے: اور (قیامت کے دن) اعمال نامہ کھول کر رکھ دیا جائے گا، مجرم لوگ ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے اس کو دیکھیں گے، پھر کہیں گے کہ ہائے! ہماری بربادی اس کتاب (اعمال نامہ) کو کیا ہوگیا کہ یہ ہمارے اعمال کو محفوظ کرنے اور شمار کرنے میں نہ چھوٹی چیز چھوڑی ہے نہ بڑی چیز، پورا کچا چٹھا اس نے ہمارا پیش کردیا۔ (سورۃ الکہف:۴۹ مفہوم) نیک اور صالح لوگوں کے سیدھے ہاتھ میں یہ اعمال نامہ حوالہ کیا جاتا ہے، پھر جس کے سیدھے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے اس کے بارے میں قرآن مجید کا بیان ہے کہ ایسا شخص خوشی خوشی اپنا اعمال نامہ حاصل کرے گا اور کہے گا کہ مجھے معلوم تھا کہ ایک دن مجھے اپنے کیے کا حساب وکتاب دینا ہے، پھر وہ عیش وعشرت اور مزے کی زندگی میں رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کے بہت سارے انعامات اور ڈھیر ساری نعمتوں کی بارش ونوازش ہوگی، اسی طرح نافرمان اور برے لوگوں کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جب یہ لوگ اپنا اعمال نامہ لیں گے تو کہیں گے: اے کاش! یہ اعمال نامہ مجھے نہیں ملتا تو اچھا تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ ایک دن اپنے کالے کرتوتوں کا حساب وکتاب دینا ہے، پھر اللہ کے حکم سے دردناک عذاب اس کا بدلہ اور کرب ناک زندگی نافرمان لوگوں کا حصہ ہوگی (مفہوم آیات:۱۸ تا ۳۲ سورۃ القیامۃ) حساب وکتاب اور اعمال نامہ کے پیش کیے جانے کے موقع پر خوشی ومسرت اور افسوس وپچھتاوے کے اس پس منظر میں شاعر اسلام علامہ اقبالؒ کا یہ کہنا بہت ہی مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے کہ:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

غور کیا جائے اور سمجھنے کی اگر کوشش کی جائے تو بآسانی اندازہ ہوگا کہ روزِ محشر میں حساب وکتاب اور اعمال نامہ کا تعلق بھی وقت سے ہے، اس لیے کہ اعمال کا صدور اوقات میں ہی ہوتا ہے، وقت کا صحیح، بہتر اور مناسب استعمال اگر ہو تو اچھے اور نیک اعمال ہمارے نصیب میں ہوں گے، وقت ایک عظیم نعمت اور بیش بہا دولت ہے، جو جتنی زیادہ اس کی حفاظت اور قدر کرے گا کامیابی وکامرانی، سرخروئی اور سرفرازی اس کے قدم چومے گی اور جو شخص اپنی زندگی میں جتنا زیادہ غافل اور کاہل ہوگا ناکامی، ناامیدی اور احساسِ کمتری اس کا مقدر ہوگی۔

اصلاحی مضامین

جہیز کی حقیقت اسلام کی نظر میں

مفتی محمد شاہ نواز قاسمی

عصر حاضر میں خاندانی ادارے کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے ان سب کا احاطہ تو شاید ممکن نہ ہو، ہر معاشرے میں یہ چیلنج ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ بلکہ بعض حالات میں متضاد بھی۔ مثلاً کہیں جہیز کا اژدہا بے شمار جوانیوں کو چاٹ جاتا ہے اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں عفت مآب دوشیزائیں ہوس پرست نوجوانوں اور ان کے والدین کی ھل من مزید کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ دوسری طرف کوئی باپ اپنی جوان بیٹی کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے دندانِ حرص تیز کررہا ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن دوطرفہ ہوس پرستوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: عورت سے نکاح چار اسباب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب ونسب کی بنا پر اس کے حسن وجمال کے باعث اور اس کی دین داری کے سبب؛ لہٰذا تم دین دار خواتین کو منتخب کرو۔ (مسلم، بخاری)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی ایسا شخص ــــ جس کے دین اور اخلاق پسندیدہ ہوں ــــ نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کر دیا کرو، بصورتِ دیگر زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ (سنن الترمذی)

نکاح کے لیے مال ودولت کو معیار بنانا نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ ارشاد ربانی ہے: اگر وہ غریب ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی فرمادے گا۔ (النور)

جہیز کی حقیقت:

جہیز اور بری یہ دونوں درحقیقت زوج (لڑکے والوں) کی طرف سے زوجہ یا اہل زوجہ کو ہدیہ ہے اور جہیز جو درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے فی نفسہ امر مباح بل کہ مستحسن ہے۔ (اصلاح الرسوم، ص:۶۵)

اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو خوب جہیز دینا برا نہیں؛ مگر طریقے سے ہونا چاہیے، جو لڑکی کے کچھ کام بھی آوے۔ (حقوق البیت، ص:۲۵)

جہیز میں قابل لحاظ امور

جہیز میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے: اوّل: تو اختصار یعنی گنجائش سے زیادہ کوشش نہ کرے۔

دوم: یہ کہ ضرورت کا لحاظ کرے؛ یعنی جن چیزوں کی ضرورت فی الحال ہو وہ دینا چاہیے۔

سوم: یہ کہ اعلان نہ ہو؛ کیوں کہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے جو درجِ ذیل روایت میں مذکور ہے تینوں امر ثابت ہیں۔ (اصلاح الرسوم،ص:۳۹)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز:

سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز یہ تھا: دو یمنی چادر، دو نہالی جس میں اَلسی کی چھال بھری تھی، چار گدے، چاندی کے دو باز و بند، ایک کملی، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔ (ازالۃ الخفا و اصلاح الرسوم،ص:۳۹)

حضرت فاطمہؓ کے جہیز کی حقیقت

ہمارے معاشرے میں جب جہیز کی بات آتی ہے تو سارے عہد نبوی سے ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اکلوتی مثال کو اس قدر زور بیان اور قوت استدلال فراہم کر دیا جاتا ہے؛ گویا سنت نبوی کا تمام تر انحصار اسی پر ہے سیّدہ فاطمہؓ کے اسباب کے ذریعے جہیز کو مسنون ثابت کرنے والے شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر اَور بھی صاحب زادیاں تھیں، آپ نے اُنھیں کتنا سامانِ جہیز دیا؟، اگر نہیں دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تلقین فرما رہے ہیں: اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات کو پیش نظر رکھو۔ (بیہقی)

ایک صحابی نعمان بن بشیرؓ اپنے ایک بیٹے کو عطیہ دینے کے سلسلے میں گواہ بنانے حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: کیا ساری اولاد کو اسی طرح کے عطیات دے رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد کے بارے میں انصاف سے کام لو، کسی ایک کو دینا دوسرے کو نظر انداز کر دینا ظلم ہے اور میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں یہ معاملہ آتا ہے تو ایک بیٹی کو جہیز دے کر روانہ کرتے ہیں اور دوسری بیٹیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں حال آں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟ بخدا! دامنِ نبوت ہر قسم کی ناانصافی سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صحیح روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے سیّدہ فاطمہؓ کے گھر کا سامان اپنے پاس سے دیا اور اُن چار سو اسی دراہم سے نہیں خریدا گیا جو حضرت علیؓ نے اپنا واحد اثاثہ غزوۂ بدر میں ملنے والی زرہ کو فروخت کر کے حاصل کیا تھا تو بھی صورتِ حال علاحدہ تھی۔

بعثتِ نبوی سے پہلے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب کی معاشی تنگی کا شدت سے احساس تھا، ایک روز آپ نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آیئے ہم ان کی مدد کرتے ہیں! وہ اس طرح کہ ان کا ایک بیٹا میں لے لیتا ہوں ایک آپ لے لیں۔ اس طرح ان کی معاشی ذمے داری کم ہوجائے گی؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کی کفالت کی ذمے داری لی جو شادی تک آپ کے ساتھ رہے۔ چوں کہ حضرت علیؓ کی کفالت آپ کے ذمے تھی؛ اِسی لیے مدینہ منورہ میں مواخات کے موقعہ پر جب ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بنایا گیا تو آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔

مطلب یہ تھا کہ ان کی کفالت جس طرح مکہ معظّمہ میں میرے ذمے تھی اب بھی میرے ذمے ہے؛ چوں کہ حضرت علیؓ کی کفالت آپ کی ذمے داری تھی؛ اِس لیے حضرت علیؓ نے جب نیا گھر بسانے کا اِرادہ کیا تو آپ نے اُن کے سرپرست ہونے کی ذمے داری پوری کرتے ہوئے کچھ ضروری سامان ساتھ کردیا جسے بعد میں ہوس پرستوں نے کچھ کا کچھ کر دیا۔

مروّجہ جہیز کی خرابیاں

مگر اب جس طرح سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی؛ بلکہ جو کچھ کیا جاتا ہے ناموری، شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بَری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے، متعین اشیا ہوتی ہیں، خاص طرح کے برتن بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں، جہیز کے اسباب بھی معین ہیں کہ فلاں چیز ضروری اور تمام برادری اور گھر والے اس کو دیکھیں گے، جہیز کی تمام چیزیں مجمع عام میں لائی جاتی ہیں، ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور و جہیز کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ آپ خود فرمایئے! یہ سب ریا دکھلاوا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔ اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو حسبِ توفیق جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک کے دے دیا جاتا۔

اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لیے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا؛ لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات لوگ مقروض بھی ہوجاتے ہیں گو سود ہی دینا پڑے اور گو باغ ہی فروخت یا گروی ہوجائے پس اس میں التزام مالا یلزم اور نمائش اور شہرت اور اسراف وغیرہ خرابیاں موجود ہیں؛ اِس لیے یہ بھی بطریق متعارف (مروّجہ طریقہ ہونے کی بنا پر) ممنوعات کی فہرست میں داخل ہوگیا۔

(اِزالۃ الخفاء، اصلاح الرسوم ص:۱۵ و ص:۵۷)

اصلاحی مضامین

ہمارے بچے اور انٹرنیٹ

ترجمہ وتلخیص: مفتی احمد عبد الشافی ذکوان*

الکٹرانک اشیاء بالخصوص، موبائل، آئی پیڈ، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اور اس کے ذریعہ استعمال میں آنے والا انٹرنیٹ سے بچوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کی مہلک صورتحال تقریباً ہر گھر میں منفی اثرات لیئے ہوئے دن بہ دن رونما ہورہی ہے، جب کہ اس کے سلسلہ میں بعضوں کا یہ کہنا ہے کہ الکٹرانک اشیاء اور انٹرنیٹ کا استعمال دور حاضر میں ذرائع تعلیم وتربیت میں سے ایک اہم ذریعہ ہے۔

دوسری طرف کی تحقیقات وتجربات کے بعد کئی دانشور تنظیموں کا اس پر اتفاق ہوا ہے کہ ان اشیاء کا استعمال ذہنی تفریح آسودہ حالی کی شکل میں ایک ایسی مہلک چیز ہے جو ہمارے بچوں کی دماغی محنت وقوت کے ساتھ ان کے قیمتی اوقات کے ضیاع کا سبب بنی ہوئی ہے۔

نیز ان بچوں کے کردار اور برتاؤ اور تہذیب وکلچر کے بگاڑ میں مؤثر ہوتی جارہی ہے وہیں ان اشیاء کے کثرت استعمال سے معصوموں اور جوانوں کا مختلف قسم کے جسمانی امراض میں ابتلاء بھی عام ہورہا ہے مثلاً دائمی سر درد، گردن کا درد، بے خوابی، ذہنی انتشار اور بینائی کی کمزوری وغیرہ۔

بوقت ضرورت ان اشیاء کے استعمال میں حرج نہیں بلکہ ایک مفید چیز ہے، لیکن اس کا اس قدر عادی ہوجانا کہ وہ ایک جزء لاینفک بن جائے اس کے بغیر بے چینی اور بے قراری محسوس ہونے لگے اس کے بغیر نیند نہ آئے یہ تو نفسیاتی طور پر ایک بیماری سمجھ میں آتی ہے۔ کیا بچے، کیا جوان تقریباً سب ہی اس کا شکار ہوگئے ہیں، سگریٹ، تمباکو اور نشیلی اشیاء کا جیسا نشہ چڑھتا تھا، آج انٹرنیٹ اور الکٹرانک اشیاء کا نشہ اس سے کچھ کم نظر نہیں آرہا ہے۔

استعمال کرنے والوں میں سے بچوں کے لئے تو انٹرنیٹ اور الکٹرانک اشیاء کھیل کود کا میدان بنا ہوا ہے، مراہقین، نوجوان اور غیر شادی شدہ جوان اکثر اس کے ذریعہ غیر اخلاقی مواد پر مشتمل انتہائی فحش تصاویر اور ویڈیوز کے ایسے عادی ہو چکے ہیں کہ اس کے بغیر ان کو نیند اور دماغی تسکین نہیں ہو پارہی ہے، بچپن کا کھیل ان کو یہاں تک پہونچا دیا ہے کہ خیالی دنیا ظلمتوں سے بھر گئی ہے اور ظلمتوں کا عکس دماغی دنیا میں پیوست ہوگیا ہے،

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جس کے نتیجہ میں شرع واحکام سے بیزارگی اور والدین اوران کی اطاعت سے بیزارگی گھریلو کام کاج سے بیزارگی ،اسکول کالج کی تعلیم سے بیزارگی حتی کہ بروقت کھانے اوراپنی صاف صفائی میں بھی بیزارگی ظاہر کرتے ہوئے نظرآرہے ہیں۔بس ان کا ایک ہی محبوب مشغلہ انٹرنیٹ اورالکٹرانک کھیلوں کی دنیامیں مست مگن نظرآتے ہیں۔الکٹرانک دنیااورانٹرنیٹ پرطویل وقت لگادینے سے اخلاقی جرائم کے علاوہ مختلف قسم کے نفسیاتی امراض بھی غیرشعوری طورپرجنم لے رہے ہیں۔

چنانچہ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ جوان اشیاء کا عادی ہوجاتا ہے:

۱)اس کی قوت ارادی ختم ہوجاتی ہے،اورایک ہی میدان یاایک ہی رخ منجمد ہوجاتا ہے اس طور پر کہ اپنے میدان کے علاوہ دوسرے کسی میدان اور کام میں گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے اور جی نہیں لگتا ہے اور وہ شخص اپنی ذات ہی میں سکڑجاتا ہے۔

۲)اس کواجتماعیت ،دوستوں اوراقارب سے میل میلاب اچھانہیں لگتاوقت گذرنے کے ساتھ اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ بچہ اتنا تفرداورانانیت کا شکارہوجاتے کہ اس کو بھائی بہن اوروالدین کے تعلقات بھی ناگوار محسوس ہونے لگیں جیسا کہ آج کل اس کا بھی مشاہدہ ہورہاہے کہ سڑکوں ،چوراہوں،گلی کوچوں اورفٹ پاتھ پرکئی افرادگھروں اوراپنوں کوچھوڑکراپنی دنیامیں کبھی ہنستے اورکبھی پریشان ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

۳)بچہ کے اندررہنے والی فطری اجتماعی کام کی مہارت سلب ہوجاتی ے،یعنی اجتماعی کھیل ہوتوکیا پٹنی نہیں کرسکتا،گھریلو یاکسی اجتماعی کام کی نظامت وقیادت نہیں کرسکتا حتی کہ چندافراد کے ساتھ مل کرکام کرنا بھی اس کے لئے مشکل ثابت ہوسکتا ہے۔

انٹرنیٹ اورالکٹرانک کھیلوں کے فوائد بھی ہیں؛

مثلاً ذہنی تھکاوٹ دور ہوتی ہے،تعلیمی مشاغل والے بچوں کوتمرین ومشق میں مدد ملتی ہے،خوداعتمادی حاصل ہوتی ہے،ذہنی دنیاوسیع ہوتی ہے،اور بہت کچھ لیکن اگراعتدال نہ ہوتو''**اثمھما اکبر من نفعھما**'' کا مصداق ہونے کا بھی قوی امکان ہے۔

اب آتے ہیں والدین کی طرف

جب بچہ ان اشیاء میں مشغول ہوتا ہے تو والدین کی سوچ تین زاویے کی ہوتی ہے۔

ایک فریق تواس کے خطرات اورمہلک اثرات کومحسوس کرتے ہوئے بچوں کوکلی طور پراس کے استعمال سے منع کردیناہے۔دوسری سوچ یہ ہے کہ اگر بچے اس میں مشغول رہیں توہم فری ہوکراپنے کام کاج کرسکتے ہیں

اور تیسرے بعض کا نظریہ یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کا استعمال ہم نہ سیکھے ہیں نہ جانتے چلو یہ بچے جان کر آگے بڑھ رہے ہیں بڑھنے دیجئے یہ مان کر ان کو مطلقاً کوئی روک ٹوک نہیں کرتے۔اس سلسلہ میں اکثر افراط وتفریط کے شکار ہیں جو بچے کلی طور پر منع کر دیئے جاتے ہیں وہ دوستوں کے پاس جا کر یا جب بھی موقع پاتے ہیں اس سے گریز نہیں کرتے بلکہ کسر نکال لیتے ہیں،تو ایسا نہ ہو کہ ہماری ممانعت اور سختی ہی ان کو استعمال پر اُبھار دے۔اس طرح ہم اگر اپنے کام کاج کے لئے بچوں کو چھوڑ دیں تو بچوں کی تربیت بھی تو ہمارا کام ہے بلکہ اس کے لئے تو ماں کی گود ہی پہلا اسکول اور مدرسہ ہوتا ہے اگر اسی میں بگاڑ وفساد جڑ پکڑ لیں تو اس کا ازالہ کیونکر ممکن ہوگا؟ نیز والدین یہ سوچ کر کہ ہمارے بچے تعلیم وثقافت میں سب سے آگے رہیں بہت اچھی چیز ہے لیکن یہ بغیر نگرانی کے ناممکن ہے۔

جیسا کہ بڑوں کی کھاوت بھی ہے کہ بچوں سے پیار ومحبت میں سونا چاندی کوٹ کر غذا بھی بنا دی جائے تو اسراف نہیں لیکن تربیت کے مسئلہ میں بچوں سے حسن ظن مہلک ثابت ہوتا ہے تربیت کے مواقع میں بچوں پر گہری اور سخت نگاہ ہی مؤثر ہوتی ہے۔

الغرض! بچوں کو مذہبی بنانے ،اخلاقی جسمانی اور نفسیاتی امراض سے دور رکھ کر ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے میں اہم کردار گھریلو ماحول اور والدین ہی کا ہوتا ہے۔لہٰذا اس کے خاطر گھروں میں منصوبہ بندی کے ساتھ ایک منظم نہج وقتِ حاضر کی اہم ترین ضروریات میں سے ہے۔

تنظیم نہج کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اسوۂ حسنہ ہیں اور دورِ حاضر کے لئے ماہرین نفسیات و تعلیم کا کہنا ہے کہ والدین اپنے بچوں کو وقت دیں اور اپنی نگرانی میں کچھ دیر کے لئے بچوں کو انٹرنیٹ اور الکٹرانک اشیاء کے استعمال کی اجازت دیں اور اس وقت بچوں کے ساتھ ایسا دوستانہ برتاؤ رکھا جائے کہ بچے بے تکلف رہیں اور ہماری غیبوبت میں ان چیزوں کے استعمال میں ان کو مزہ نہ آئے اور ساتھ ہی ساتھ کھیل کود اور بے تکلفی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا سلسلہ بھی جاری رہے انشاء اللہ یہ نونہالانِ امت ضائع نہیں ہوں گے ان کا مستقبل روشن اور تابناک رہے گا۔وھو المستعان

ہم اپنے بچوں کے دنیوی افادیت کے پیش نظر اپنے آپ کو اتنا مشغول ومحبوس کئے ہوئے ہیں کہ بچوں کی تعلیم واخلاق اور افکار کی کوئی خبر نہیں ہے۔اور بچوں کو تفریح ومحبت کے لئے والدین کا وقت اور پیار نہیں مل رہا ہے تو وہ بھی غلط اقدام کرتے ہوئے مہلکات اور خطرات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔والی اللہ المشتکیٰ

(ماخوذ وملخص از مضامین ''الرابطۃ العالم الاسلامی'')

اصلاحی مضامین

یوٹیوب نے میری ایمانی صفات چھین لی

از: بندۂ تائب

آج سے کوئی تین سال پہلے تک میں دین اور دنیا دونوں اعتبار سے کامیاب تھا میں اپنے معمولات سے بہت مطمئن تھا ملازمت کے ساتھ اضافی آمدنی بھی کر لیتا اور گھریلو ذمہ داریاں بھی پوری کرتا. نمازوں کی پابندی بھی ہوجاتی اور کچھ کچھ اوراد و ظائف اور تلاوت قرآن بھی۔

میں بچپن ہی سے اردو زبان جانتا ہوں دین کی بنیادی تعلیم مکتب ہی سے حاصل کرلی تھی۔

میں شروع ہی سے دینی اور طبی کتابوں کا عادی رہا ہوں دینی وعظ و بیان بھی شوق سے سنتا ہوں۔

میں بہت مطمئن تھا نیکی و بدی کا تصور لے کر جی رہا تھا نیکیوں سے خوشی ہوتی اور گناہ سے ڈر لگتا تھا۔

لیکن آج کل نہ میں دین میں کامیاب ہوں، نہ ہی دنیا میں...... مَیں اندر سے تڑپ رہا ہوں پہلے کی طرح بننے کے لئے...... میرے اندر نہ وہ ایمانی جذبہ رہا...... نہ احساسِ ذمہ داری...... نہ نیکی کی چاشنی...... نہ بدی سے کوفت...... نمازیں تو رخصت ہی ہوگئیں...... تلاوت قرآن کو بھی ایک عرصہ ہوگیا۔

ملازمت کی پابندی اور کام کی لگن بھی متاثر ہوگئی...... لوگوں کے سامنے کبھی اپنی بیماری کے بہانے...... تو کبھی اہل وعیال کی بیماری کے بہانے...... لوگ بھی میری پرانی زندگی کے مدّنظر میری باتوں پر اعتماد کر کے رعایت کرتے جارہے ہیں...... مگر کب تک؟...... میں ترس رہا ہوں دوبارہ پہلے کی طرح بننے کے لئے...... میرا ایمان کتنا کمزور ہوگیا ہے...... مجھے اس وقت احساس ہوا...... جب میں عمرہ ادا کرنے گیا...... تو لوگوں کو دیکھا کہ خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے...... مگر مجھے رونا ہی نہیں آرہا تھا...... میں اتنا شرمندہ ہوا کہ ہائے اللہ! مجھے اتنے گناہوں کے باوجود کیوں رونا نہیں آرہا ہے؟...... پھر کیا رونے کے لئے گناہ ضروری بھی ہیں؟ کیوں مجھ پر کیف طاری نہیں ہوتا...... تھوڑی دیر کے لئے ایسا لگا کہیں میری موت کفر پر تو نہیں ہوگی؟ اللہ بچائے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں بھی میری کوئی خاص کیفیت نہیں تھی...... اور سچ تو یہ ہے کہ حرمین شریفین میں بھی میری نمازیں قضا ہوگئیں...... لیکن یہ سب کچھ ہورہا تھا...... اور میں تڑپ بھی رہا تھا...... کہ حرمین شریفین میں آکر

بھی میرے دل میں ایمانی جوش وجذبہ کیوں نہیں پیدا ہو رہا۔

ناسور کا پتہ چل ہی گیا

لیکن میں نے اپنے اعمال کا جائزہ لیا......اور اس ناسور کو ڈھونڈ نکالا......جس نے میری ایمانی حرارت کو سلب کرلیا تھا............کیا ہے وہ ناسور؟

وہ ۳/ چیزیں ہیں؟

(۱) عریانیت (ننگا پن) (۲) لایعنی کام (فضول کام) (۳) کثرتِ ضحک (خوب ہنسنا)

یہ ۳/ چیزیں ہیں جنہوں نے میرا دین اور دنیا برباد کردیا۔

میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت پہلے فرما دیا:

''عورتوں کے محاسن سے اپنی نگاہیں جھکالو......عبادت میں لذت ملے گی۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا:

''آپ فرما دیجئے! کہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

ایمان کے عنوان سے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم یہ اشارہ کررہا ہے کہ نظر اٹھی تو ایمانی حرارت ضرور متأثر ہوگی۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے فرمایا: ''فضول کام سے بچنا آدمی کے اسلام کا حسن ہے۔''

یہ اچھی عادت ختم ہوگی تو اسلام کا حسن پر ضرور دھبہ لگے گا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زیادہ مت ہنسو، اِس سے دل مردہ ہوتا ہے۔''

ظاہر سی بات ہے دل مردہ ہوگا......تو ایمان کی چاشنی کہاں محسوس کرے گا......اللہ کا خوف اس دل میں کہاں سے آئے گا۔

ہمارا اسلام تو سنجیدگی کی تعلیم دیتا ہے......تفکر وتدبر کی تعلیم دیتا ہے......حزن وملال تو اللہ والوں کا شیوہ ہے......شکستہ دلی تو اللہ کو محبوب ہے۔

مگر میں ان تینوں برائیوں میں آہستہ آہستہ ملوث ہوتا چلا گیا......پھر آہستہ آہستہ ان کا عادی بھی ہوگیا اور تو اور لوگوں کی نظروں سے دور جب چاہا ان برے کاموں میں مبتلا ہوتا رہا۔

یہ تینوں برائیاں ہر وقت، ہر جگہ، بڑی آسانی سے مجھے یوٹیوب (YouTube) پر دستیاب ہوجاتی

تھیں۔ میں پہلے یوٹیوب سے بہت دور تھا واٹس ایپ (Whatsapp) پر کسی نیوز، یا بیان، یا نعت شریف کے لِنک (Link) سے یوٹیوب پر جاتا، پھر واپس آجاتا۔ پھر آہستہ آہستہ شیطان نے مجھے بہکایا...... یوٹیوب کی وسیع وعریض ہمہ اقسام کی رنگ برنگی دنیا کا مجھے علم ہوگیا۔

پہلے مجھے یہ خیال آیا کہ تھک ہار کر آنے کے بعد اگر آدھا ایک گھنٹہ یوٹیوب پر کچھ معلوماتی ویڈیو دیکھنے میں کیا حرج ہے...... پھر میں کمپیوٹر سے متعلق...... گاڑی سے متعلق...... دنیا کے مشہور مشہور ممالک کے تعارف سے متعلق...... علاج ومعالجے سے متعلق...... تازہ ترین واقعات پر تبصرے سے متعلق...... حیرت انگیز معلومات سے متعلق...... ویڈیوز (Videos) دیکھنے لگا۔

کچھ دن تک میں اس قسم کی ویڈیوز دیکھتا تھا...... اس درمیان دیگر ہر قسم کی بُری، فحش اور گندی ویڈیوز جو لِسٹ میں آتی تھیں...... انہیں میں نظر انداز کرتا تھا۔

پھر اتفاقیہ میں نے کامیڈی ویڈیو (Comedy Video) دیکھنے شروع کردئے...... اور بہت آگے نکل گیا...... اب یوٹیوب ایک گھنٹہ نہیں ۳/۳ گھنٹے چل رہا تھا...... میں روزآنہ یہ محسوس کرتا تھا، کہ میں ایک بری عادت کا شکار ہورہا ہوں...... مگر یوٹیوب کی دنیا اتنی بڑی تھی...... کہ یہ چھوٹا سا احساس...... اتنی بڑی دنیا کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

یوٹیوب (YouTube) ایک بہت بڑی بھول بھُلیّا ہے...... اس بھول بھلیا میں مَیں پھنستا ہی چلا گیا ...... مَیں ۱۱/ بجے تک سوجانے کا عادی تھا...... اب ۲/ ۲/ بجے تک جاگنے لگا...... چبھتی آنکھوں کے باوجود...... دُکھتے ہاتھ کے باوجود...... تھکان کے باوجود...... یوٹیوب میں مگن رہنے لگا۔

ادھر وقت بھی بڑھنے لگا اور ادھر یوٹیوب (YouTube) کی دنیا میں بھی بہت ترقی ہوگئی...... پہلے میں نے کچھ مہینے بالی ووڈ (Bollywood) کے قلعہ کا محاصرہ کیا...... اس کو فتح کرلیا...... پھر ٹیلی ووڈ (Tollywood) اور تمل ووڈ (Tamilwood) فتح کرتے کرتے ہالی ووڈ (Hollywood) تک پہنچا ...... وہاں پہنچ کر لگا کہ اصل قلعہ تو یہی ہے...... پھر بعد میں پتہ چلا...... کہ یہ سب کچھ بھی نہیں ہے...... اصلی قلعہ تو اب میرے سامنے تھا...... "پورن فلمیں" اس کے سامنے تو سب کچھ بے کار تھا۔ اس قلعہ کا تو چپہ چپہ میں نے چھانا...... انڈین پورن...... پاکستانی پورن...... چائینیز پورن...... افریقن پورن...... عربی پورن...... پھر اس کے اندر کی وسیع دنیا۔

اس بیچ بہت سارے چھوٹے موٹے ڈرامے...... ٹی وی شوز...... شاٹ فلمیں...... انٹرٹینمنٹ ویڈیوز ...... میوزکلی ویڈیوز...... ٹک ٹاک ویڈیوز...... نے بھی کم برباد نہیں کیا۔

غرض کچھ نہیں بچا تھا...... نہ یوٹیوب کی دنیا میں کوئی برائی بچی تھی...... نہ دل میں کوئی ایمانی حرارت...... البتہ محرومی کا ایک احساس تھا...... بدبختی اور شقاوت محسوس ہو رہی تھی...... سمجھ میں آ گیا تھا...... کہ کیوں عبادتوں کی لذت ختم ہوگئی؟...... کیوں نگاہیں ہر جگہ بے پردگی کی متلاشی رہتی ہیں؟...... کیوں بدنگاہی کا ایک بھی موقع نہیں چوکتا؟...... کیوں ایک بے چینی اور نااطمینانی کی کیفیت ہمیشہ رہتی ہے؟...... اللہ پر ایمان ہونے کے باوجود اللہ کا ڈر کیوں نہیں ہوتا؟

یوٹیوب (YouTube) کی بلا سے میں کیسے بچا؟

اگرچہ یوٹیوب (YouTube) کے گناہ کی دنیا میں مَیں ڈوب گیا تھا...... مگر مجھے اپنی بربادی کا احساس تھا...... پھر میں نے ''امام غزالی'' کی تصانیف میں ''منہاجُ العابدین'' ''کیمیائے سعادت'' اور ''احیاء العلوم'' اور ''رسالۂ قُشیریہ'' امام یافعی کی ''بزم اولیاء'' اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خطبات کا مطالعہ شروع کیا الحمدللہ میرا دل یوٹیوب (YouTube) کی گندگی سے پاک ہو رہا ہے...... مگر مجھے افسوس ہے...... کہ میں نے اس دنیا کو جانا...... مگر اب بھی بہت ڈر لگتا ہے...... کہ کہیں پھر سے قدم ڈگمگا نہ جائیں...... اب میں اپنے بیٹھک میں...... اپنے بیڈروم میں...... اور اپنے موبائل میں بھی کتاب رکھتا ہوں...... جب یوٹیوب کھولنے کا دل کرے فوراً کتاب کھول کر مطالعہ شروع کر دیتا ہوں...... انٹرنیٹ سے کچھ معلومات لینا ہو...... تو تحریری طور پر لے لیتا ہوں...... یوٹیوب پر نہیں جاتا...... اگر یوٹیوب (YouTube) پر جانا بھی ہو...... تو لوگوں کے بیچ...... یا گھر والوں کے بیچ رہ کر...... یوٹیوب کھولتا ہوں...... تنہائی میں یوٹیوب کے قریب نہیں جاتا...... اللہ مجھے ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

ہمیں اور ہماری نسلوں کو یوٹیوب کے دلدل میں پھنسنے سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

افاداتِ اکابر

لمحاتِ زندگی کو قیمتی بنانے کا مجرب نسخہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

فرمایا: ایک تجربہ کی بات بتاتا ہوں، وہ یہ کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو: یا اللہ! یہ دن طلوع ہو رہا ہے، اور اب کارزارِ زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے اس دن کے لمحات کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما کہ کہیں وقت ضائع نہ ہو جائے، کسی نہ کسی خیر کے کام میں صرف ہو جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا ھٰذَا وَ لَمْ یُھْلِکْنَا بِذُنُوْبِنَا یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے یہ دن ہمیں دوبارہ عطا فرما دیا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔ ہر روز سورج نکلتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ ہم تو اس کے مستحق تھے کہ یہ دن ہمیں نہ ملتا اور اس دن سے پہلے ہی ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ہلاک نہیں کیا اور یہ دن دوبارہ عطا فرمایا۔

لہٰذا پہلے یہ احساس دل میں لائیں کہ یہ دن جو ہمیں ملا ہے، یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں عطا فرمادی ہے، اس دعا کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ ہر دن کی قدر اس طرح کرو جیسے ہم سب رات کے وقت ہلاک ہونے والے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے زندگی دے دی اب یہ جو نئی زندگی ملی ہے وہ کسی صحیح مصرف میں استعمال ہو جائے۔

صبح کی مسنون دعاؤں کا معمول بنالیں

حدیث کی کتابوں میں وہ دعائیں منقول ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ صبح فجر کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم سب بھی نماز فجر کے بعد اس کے پڑھنے کا معمول بنالیں، وہ دعائیں یہ ہیں:

(۱) اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْيَوْمِ (ترمذی)

اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس کے بعد کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس دن کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

(۲) اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهُ وَنَصْرَهُ وَبَرَكَتَهُ وَعَافِيَتَهُ وَهُدَاهُ (ابوداؤد)

اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس دن کی کامیابی، نصرت، نور، برکت، عافیت اور ہدایت طلب کرتا ہوں۔

(۳) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحاً، وَاَوْسَطَهُ فَلَاحاً، وَاٰخِرَهُ نَجَاحاً

اے اللہ! آج کے دن کے ابتدائی حصہ کو میرے لئے صلاح بنادیجئے، اور اس کے درمیانی حصہ کو فلاح اور آخری حصہ کو کامیابی بنادیجئے۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری دعائیں ہیں، ان کو یاد کرلیں اور روزانہ صبح کے وقت ان کو پڑھا کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں کہ: اے اللہ! اس دن کے ایک ایک لمحے کو اپنی رضا کے مطابق صرف کرنے کی توفیق عطا فرما۔

بہرحال! پہلے نظام الاوقات بناؤ، اور پھر اس بات کا عزم کرو کہ میں اس کی پابندی کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور توفیق مانگو، اس کے بعد کارزارِ زندگی میں داخل ہوجاؤ۔

رات کو سوتے وقت دن کا جائزہ:

پھر رات کو سوتے وقت اپنا دن بھر کا جائزہ لے لو کہ آج صبح میں نے جو ارادہ کیا تھا، اس پر کس حد تک قائم رہا اور کہاں کہاں بھٹک گیا، جہاں بھٹک گئے تھے اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرکے دوبارہ اپنے عزم کو تازہ کرلو اور جس حد تک قائم رہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، ساری عمر یہی کام کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ بیڑہ پار کردیں گے۔

(بہ شکریہ، ماہنامہ التحلیل ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ)

شخصیات

حیات حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے چند گوشے:

از: مولانا سید آصف علی ندوی

اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ اورنگ زیبؒ ملت اسلامیہ ہندیہ کے ایک بہت بڑے محسن تھے، لیکن بے حد حیرت کی بات ہے کہ باشندگانِ بھارت نے اس عظیم محسن شخصیت کے ساتھ منصفانہ رویہ نہیں اپنایا، اسلام دشمن عناصر اور احسان ناشناس افراد کا ذکر ہی کیا، اپنوں نے بھی کبھی اس عظیم شخصیت کے غیر جانبدار اور روادارانہ طرز حکومت کا بے لاگ اور منصفانہ جائزہ لینا ضروری نہیں سمجھا۔ انگریزوں نے ہمارے اس وطن عزیز بھارت میں اپنے قدم مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے ہندو مسلم منافرت اور افتراق کی دیواریں جن بنیادوں پر رکھی تھیں ان میں سب سے اہم بنیاد یہی تھی کہ بھارت کے انصاف پسند غیر جانبدار مسلم حکمرانوں کی روشن و تابناک تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جائے، تاکہ اکثریتی فرقہ کے دلوں میں مسلم حکمرانوں کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا لاوا ہمیشہ پکتا رہے، اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے نہ دیا جائے یا کم از کم انہیں مرکزی دھارے میں شامل ہونے سے محروم رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر انگریز مؤرخوں نے اسلام دشمنی اور ہندو مؤرخوں نے مسلم بیزاری کے مسموم جذبات سے مغلوب ہو کر اکبر کو گریٹ اور انصاف پسند اور اورنگ زیب کو غاصب، ظالم و جابر، مذہبی تنگ نظر، متعصب، جانبدار اور غیر روادار ثابت کرنے کی ہمیشہ سعی نامشکور کی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کو انگریز اور ہندو مؤرخوں نے اپنی کتابوں میں کچھ اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گویا ان کے سر پر ہمہ وقت خون سوار رہتا تھا اور وہ بے انتہا ہوس اقتدار میں مبتلا شخص تھے، ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے عام طور پر جو فرد جرم ان پر عائد کی جاتی ہے اس میں سرفہرست دو الزام ہیں، پہلا یہ کہ اورنگ زیب ایک غاصب اور ظالم و جابر بادشاہ تھا جس نے حکومت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لئے اپنے والد شاہجہاں کو بڑھاپے میں نظر بند کروادیا اور اپنے بڑے بھائی داراشکوہ اور مراد بخش کو قتل یا قید کروادیا اور دوسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ ایک مذہبی تنگ نظر، متعصب اور جانبدار و غیر روادار حکمران تھا جس نے متعدد مندروں کو منہدم کروا کر ان کی جگہ مساجد تعمیر کروائیں، یہ صحیح ہے کہ اورنگ زیب نے بعض مندروں کو مسمار کروایا

*صدر جمعیت علماء شہر ناندیڑ

لیکن یہ سب انہوں نے اپنی مذہبی راسخ العقیدگی کی بنیاد پر یا دیگر مذاہب کی بے حرمتی اوران کے استیصال کے جذبہ سے نہیں کیا بلکہ ان کی وجوہات سیاسی تھیں جن کو عام طور پر متعصب مؤرخوں نے سیاق وسباق سے کاٹ کر اوراس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ محض ایک سخت گیر ہندوکُش اور منادر شکن حکمران تھے۔

اورنگ زیب مغلوں میں وہ پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے ایک بے انتہا وسیع وعریض سلطنت وحکومت کا فرمانرواں اورتاجدار ہوتے ہوئے بھی اورحکومت کے خزانوں کے مختارکل ہونے کے باوجود بھی اپنی روزی روٹی خودکمائی، وہ ٹوپیاں بُن کراورقرآن مجید اوردیگر مذہبی کتابوں کی کتابت کے ذریعے اپنے اخراجات پورے کیا کرتے تھے،غورکرنے کی بات ہے کہ کیاایک ایسا شخص جوبے پناہ سلطنت ارضی کا مالک ہوکربھی اپنی نانِ شبینہ کے لئے خودمحنت کا عادی ہو، اورجوراتوں کواپنی خوابگاہ میں آرام دہ اور پرتکلف نرم وگداز بستروں پر پشت ٹیک کرنہیں بلکہ مصلّے پر پیشانی رگڑ کرراحت حاصل کرنے کا عادی ہو، کیاوہ شخص غاصب، ظالم وجابراورمتعصب ہوسکتا ہے!اورمحض حکومت وسلطنت کی خاطر اپنے باپ کونظر بنداورحقیقی بھائیوں کوتہ تیغ کرسکتا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ اورنگ زیبؒ نے اپنے بوڑھے باپ شاہجہاں کونظر بندکروایا اوراپنے بڑے بھائیوں داراشکوہ،شجاع اور مرادکوکیفرکردارتک پہنچایا۔آخراس نے یہ سب کیوں کیا؟اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان معترضین سے یہ پوچھا جائے کہ جب ہم دنیا کی کسی بھی قوم (خواہ وہ ہندو ہو یا مجوسی، یہودی ہو یا عیسائی، بدھشٹ ہو یاسکھ) کی تاریخ پڑھتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ ہرقوم میں تخت حکومت پرقابض ہونے کے لئے باپ، بیٹے اور بھائی بھائی کوقتل اورقید یا جلاوطن کرنے کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔اس اعتبار سے جب اقتداراورسلطنت وحکومت کے حصول کے لئے اپنوں کا خون بہانے کی اس دنیامیں ریت رہی ہے تو پھرتنہا اورنگ زیب ہی کو کیوں کرمورِدِالزام ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ یہ سوال تومحض ان معترضین کے لئے ہے،لیکن بحیثیت مسلمان میرا یہ ماننا ہے کہ اگرکوئی براکام اکثرلوگ کرنے لگ جائیں تواکثرلوگوں کے کرنے سے وہ براکام اچھانہیں ہوجاتا، بلکہ اس برے کام کوہمیں براہی کہنا ہوگا تو پھراورنگ زیب کے اس عمل کوصحیح کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ تواس تعلق سے عرض ہے کہ اورنگ زیبؒ نے یہ سب اپنے دفاع کے لئے کیا اگروہ اس طرح نہیں کرتے توخود مارے جاتے،اس کی تفصیل جاننے کے لئے ہمیں اس وقت کا پس منظر معلوم کرنا ہوگا جوکچھ اس طرح ہے کہ ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ میں شاہجہاں جوبوڑھا اورکمزورہونے کے ساتھ ساتھ پیشاب بندہونے کی خطرناک بیماری میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس کی اس بیماری سے جاں برہونے کی کوئی امید نہ رہی، داراشکوہ نے جوباپ کا چہیتا بھی تھا، باپ کی بیماری کا فائدہ

اٹھاتے ہوئے اس کو قلعہ بند کر دیا اور اس کی موت کی غلط خبر عام کر کے وسیع و عریض ملک کی حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے، اس وقت بقیہ تینوں شہزادے شجاع، اورنگ زیب اور مراد علی الترتیب بنگال، دکن اور گجرات کے صوبوں پر مامور تھے، داراشکوہ نے شاہی محل کی ناکہ بندی کر دی، اس کی اجازت کے بغیر کسی کو بادشاہ شاہجہاں سے ملاقات کی اجازت نہ تھی، اس نے شجاع، اورنگ زیب اور مراد کے سفراء جو دربار میں رہا کرتے تھے بلوا کر ان سے قلمدان واپس لے لئے تاکہ یہ سفراء دربار کی خبریں ان شہزادوں تک بھیجنے نہ پائیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے بنگال گجرات اور دکن کے تمام راستے بھی بند کرا دیئے تاکہ مسافروں کے ذریعے بھی کوئی خبر ان تینوں شہزادوں تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن کسی طرح یہ خبر ان تک پہنچ ہی گئی، سب سے پہلے شجاع نے بنگال میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، اسی طرح مراد نے بھی احمد اباد اور گجرات میں اپنا سکہ قائم کر دیا، اورنگ زیب عالمگیر اس وقت شاہجہان کے حکم سے گلبرگہ کے محاصرہ پر تھے جہاں ان کی فتح یقینی تھی۔ عین فتح و کامرانی کے حصول کے وقت داراشکوہ نے اورنگ زیب کی فوج میں شامل افسران کے نام شاہجہاں کے نام سے ایک حکمنامہ بھجوایا کہ فوراً اورنگ زیب کا ساتھ چھوڑ کر دربار واپس لوٹ آئیں۔ اورنگ زیبؒ کو مجبوراً اس مہم کو ناتمام چھوڑنا پڑا، داراشکوہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس نے اورنگ زیبؒ کے سفیر عیسی بیگ کو قید کروا کر اس کا گھر ضبط کروا دیا اور جودھپور کے والی مہاراجہ جسونت سنگھ کو فوج اور توپ خانہ دے کر گجرات کی طرف روانہ کیا کہ اگر اورنگ زیبؒ آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو اس کا مقابلہ کیا جائے۔ اس دوران شہزادہ مراد اور اورنگ زیبؒ نے کچھ شرائط اور فیصلوں کے بعد یہ طئے کیا کہ ہم دونوں ہی اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ متحدہ طور پر آگے بڑھیں گے، دونوں شہزادوں کے متحد ہو کر پیش قدمی کی خبر پا کر مہاراجہ جسونت سنگھ نے انہیں روکنے کے لئے فوج کشی کی، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے مہاراجہ جسونت سنگھ تک پیغام پہنچایا کہ ہم صرف اپنے والد کی عیادت کی غرض سے جا رہے ہیں، آپ درمیان میں حائل نہ ہوں، لیکن جسونت سنگھ نہ مانا، آخر کار دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں جسونت سنگھ کو زبردست شکست ہوئی اور اس نے راہ فرار اختیار کی۔ داراشکوہ کو جب جسونت سنگھ کی شکست فاش کی خبر ملی تو وہ خود ساٹھ ہزار سوار کے ساتھ عالمگیر و مراد کے مقابلہ کے لئے نکلا، چنانچہ ۱۶/ شعبان ۱۰۶۸ھ کو سموگڑھ میں جہاں عالمگیر اور مراد کی فوجیں ٹھہری ہوئی تھیں داراشکوہ کا اپنے بھائیوں سے بڑا گھمسان کا معرکہ ہوا جس میں داراشکوہ کو کراری شکست ہوئی اور عالمگیر و مراد فتحیاب ہوئے۔ اس تاریخی حقیقت کو جاننے کے بعد ایک عام شخص بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اگر اورنگ زیبؒ اپنا دفاع نہیں کرتے تو یقیناً داراشکوہ نہ صرف اورنگ زیبؒ کو بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں شجاع اور مراد کو بھی قتل کرا دیتا۔ کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ

اپنے دفاع کے لئے اقدام کرنے والے شخص کو متعصب ظالموں نے قاتل کے روپ میں پیش کردیا۔ اورنگ زیبؒ کے اس پوری قوت اور شدومد کے ساتھ دفاع کرنے کا اصل مقصد حکومت وسلطنت پر قبضہ کرنا نہیں تھا بلکہ یہ سب انہوں نے اپنی سلامتی کے ساتھ ساتھ یک عظیم مقصد کے لئے کیا۔

اورنگ زیبؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت کچھ ایسی ہوئی تھی کہ ان کے اندر اسلام کی محبت رچ بس گئی تھی ، وہ حکمران خاندان کا ایک فرد ہونے کے ناطے اسلام کی ترقی اور اس کی اشاعت اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، اور اس کام کو وہ اپنا نصب العین اور بنیادی مشن تصور کرتے تھے، انہیں جب یہ احساس ہوا کہ ان کا باپ اپنے بعد زمام حکومت اس شخص کے دست عاقبت نا اندیش میں سونپنے کی تاک میں ہے جو نہ اپنے فرض منصبی سے واقف ہے اور نہ ہی اسے اس مشن کا صحیح ادراک ہے، تو مجبوراً اورنگ زیبؒ کو یہ قدم اٹھانا پڑا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ شاہجہاں کا رویہ اورنگ زیبؒ کے ساتھ نہ صرف متعصّبانہ بلکہ ظالمانہ تھا، وہ داراشکوہ کی حمایت کرکے اس کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا اور داراشکوہ سے متعلق تقریباً مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ انتہائی بدقماش، بددین اور بداخلاق وآزاد خیال شخص تھا، جو ہمیشہ مذہبی معاملات اور عقائد میں تطبیق دینے والا ''صُلح کل'' اور اکبری پالیسیوں کا پیروکار تھا۔ اورنگ زیبؒ کے پیش نظر اسلام کا مفاد اور ملت اسلامیہ ہندیہ کا تحفظ تھا، اورنگ زیب اپنے بھائیوں اور بالخصوص داراشکوہ کے طرز زندگی، عیش وعشرت اور تعیش پسندی سے واقف تھے، ان کے نزدیک اپنے بھائیوں کے نظریات اور سوچ وفکر کا زاویہ کچھ ایسا تھا کہ اگر وہ لوگ تخت حکومت پر قابض ہوجاتے ہیں تو اکبر بادشاہ کی طرح محض اپنی شخصیت کو ہردلعزیز بنانے یا اپنی سلطنت کو استحکام بخشنے کے لئے دینِ اسلام کو دیس نکالا دینے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے، جس کی وجہ سے شاید ملت اسلامیہ ہندیہ کا وجود اس ملک بھارت میں خطرہ میں پڑ جاتا، یہی وہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے اورنگ زیبؒ اپنے باپ کو پورے عزت واحترام اور مکمل آسائش و آرام کے ساتھ نظر بند کردیا، اور جہاں تک داراشکوہ اور مراد کے قتل کا معاملہ ہے تو یہ ایک غلط الزام ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے سر تھوپا جاتا ہے کہ اس نے محض حکومت کے لئے ان دونوں کو قتل کروایا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی کو ذاتی رنجش یا چپقلش کی بنا پر نہیں بلکہ محکمہ قضاء اور عدلیہ کی جانب سے ان پر عائد کئے گئے فرد جرم کی بنیاد پر سزائے موت دی گئی۔ داراشکوہ کو (جو اورنگ زیب کے آگرہ پر قابض ہونے کے بعد سندھ کی جانب راہ فرار اختیار کرچکا تھا) گرفتار کرکے دہلی لایا گیا، جہاں علماء نے اس کے ملحدانہ نظریات وافکار کی بناء پر اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، اور وہ بے دینی اور ارتداد کے جرم میں قتل کیا گیا۔ اور شہزادہ مراد کو (جو اورنگ زیب سے بغاوت کرکے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند تھا) ایک بے گناہ کے قتل کے قصاص میں سزائے موت دی گئی۔

جہاں تک دوسرے الزام کا تعلق ہے کہ اورنگ زیبؒ مذہبی تنگ نظر یا متعصب تھا تو اس الزام کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے، بالکل بدیہی بات ہے کہ اگر وہ مذہبی اعتبار سے تنگ نظر ہوتے یا جانبدار اور غیر روادار ہوتے تو وہ اتنے بڑے اور وسیع و عریض ملک پر مسلسل پچاس سال تک کس طرح حکومت کر سکتے تھے، ان کی مذہبی رواداری اور دیگر مذاہب و اہل مذاہب کے احترام و عظمت کی سینکڑوں مثالیں ان کے نصف صدی پر محیط دور حکومت میں بکثرت موجود ہیں جن کو نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم مؤرخوں نے بھی تحریر کیا ہے کہ اورنگ زیبؒ نے اس ملک کو جنت نشان بنانے کے لئے یہاں کے مقامی باشندوں سے ہر طرح کے تعلقات بہتر سے بہتر بنائے اور ان سے میل جول بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ان کے مذہبی رسومات اور عائلی مسائل میں (جن میں بعض بڑے ظالمانہ بھی تھے جیسے ستی کی رسم جس میں بیوہ کو اپنے شوہر کی چتا کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا) کسی طرح کی مداخلت نہیں کی، انہیں اپنی حکومت اور فوج میں بڑے بڑے عہدوں سے نوازا، اپنی وسیع و عریض سلطنت کے نظم و نسق میں انہیں اپنا شریک بنایا، یہاں ایک ہندو مؤرخ ڈاکٹر تاراچند کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس کو مفتی محمد صاحب پالنپوری نے اپنی کتاب (تاریخ ہند۔ مسلم عہد حکومت سے قیام جمہوریت تک) میں نقل کیا ہے۔ ''وہ (ڈاکٹر تاراچند) فرماتے ہیں: بعض لوگوں کے نزدیک اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی اس کی ناکامی کا سبب ہوئی، بالعموم یہ خیال غلط ہے۔ ہندوؤں کی بغاوتیں ناکام رہیں، اور ان کا کوئی مذہبی یا سیاسی مقصد نہ تھا، اورنگ زیب نے ان کو ہندوؤں ہی کی مدد سے فرو کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ مرہٹوں کے خلاف جنگ مغلیہ سلطنت کے لئے ایک بارِ عظیم ثابت ہوئی، لیکن ان کی بغاوت نہ ملکی تھی نہ مذہبی، فقط ایک قبیلہ کی بغاوت تھی اور دوسرے قبائل کی بغاوت سے بہت مختلف نہ تھی، راجپوت، بندیلے اور شیواجی کے اپنے رشتہ دار اورنگ زیب کی خاطر شیواجی اور اس کے جانشینوں کے خلاف لڑے، اور پھر مرہٹوں نے ہندوؤں کے خلاف بھی حملے کئے، اور ان کے لشکروں میں مسلمان بھی موجود تھے'' (تاریخ ہند مسلم عہد حکومت سے قیام جمہوریت تک، ص: ۱۷۶)۔

اورنگ زیبؒ کی مذہبی رواداری کو ثابت کرنے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ نہ صرف رواداری کا مظاہرہ کیا بلکہ شادی بیاہ کے ذریعے ان سے رشتے بھی قائم کئے۔ مشہور مؤرخ محمد ایوب خان نجیب آبادی نے اپنی کتاب (عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں) میں اے۔ ڈی۔ بی۔ اے۔ کی تصنیف (سوانح عمری اورنگ زیب) کے حوالے سے یہ بات تحریر کی ہے کہ: ''عالمگیر کے لڑکے شہزادہ معظم کی ماں ہندو دھرم اور راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ (عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں صفحہ ۸۰)۔ اسی طرح اورنگ زیب کی مذہبی رواداری اور ان کے ہندوؤں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے محمد ایوب خان نجیب آبادی صاحب

نے اپنی اسی تصنیف میں ایک اور واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں: ''کوڑہ جہان آباد میں متھرامل بنیہ نے عالمگیر اورنگ زیب کی ضیافت کی اور عالمگیر نے لالہ جی کی ضیافت بخوشی قبول فرمائی، اور متھرامل کے گھر مہمان کی حیثیت سے جانے میں مطلق تامل نہیں کیا۔ متھرامل نے اپنی اس عزت افزائی کی یادگار میں ایک باغ تعمیر و نصب کرایا۔ وہ باغ آج تک اورنگ زیب کی بے تعصبی اور ہندو مسلم تعلقات کی صحیح ترجمانی کے لئے موجود ہے۔ جس کا جی چاہے کوڑہ جہان آباد میں جاکر اس باغ کی سیر کرآئے''۔ (عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں صفحہ ۸۰)

اورنگ زیبؒ پر مندروں کو مسمار کرکے ان کی جگہوں پر مساجد کو تعمیر کرنے کا جو الزام لگایا جاتا ہے، اس کو کچھ اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے وہ صبح شام بس یہی ایک کام کیا کرتے تھے، اور اس طرح مندروں کو گراتے پھرتے تھے جیسے بچے پتھروں کے ذریعے بیری کے درخت سے بیر گراتے ہیں، جب ہم مستند تاریخی کتابوں میں اس الزام کی تحقیق کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی وسیع وعریض سلطنت میں نظم ونسق اور عدل و انصاف کو برقرار رکھنے کے لئے نہ صرف مندروں کو بلکہ ہر اس جگہ کو زمیں بوس یا مسمار کرنے کا حکم دیا جس کے متعلق انہیں معلوم ہوتا کہ یہاں سے سازشوں کے چشمے ابلتے ہیں اور یہ جگہ حکومت اور نظم ونسق کے خلاف سازش کدہ بنی ہوئی ہے، پھر وہ جگہ خواہ مندر ہو یا مسجد اس نے اس کو مسمار کروادیا۔ چنانچہ ان کی مسمار کردہ عبادت گاہوں میں گولکنڈہ کی جامع مسجد بھی شامل ہے جس کے حکمران تاناشاہ نے حکومت کو خراج دینا بند کردیا تھا، تاناشاہ نے اپنا خزانہ زمین میں دبا کر اس پر جامع مسجد تعمیر کرادی، اورنگ زیبؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مسجد کو گرا کر خزانہ نکلوایا اور شاہی خزانے میں جمع کرادیا جو عوام کے فلاحی کاموں میں خرچ ہوا، اس واقعہ سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ ان چند مندروں یا مسجدوں کو گرانے کی وجوہات مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھیں، ایسے دو چار مندروں کو چھوڑ کر (جنہیں اورنگ زیبؒ نے سازش کدہ بنے ہونے کی وجہ سے مسمار کرادیا تھا) بقیہ اکثر مندروں اور عبادت گاہوں کے ساتھ ان کا سلوک اور رویہ اتنا ہی غیر جانبدار اور روادارانہ تھا جتنا اکبر اور جہانگیر وغیرہ کا تھا، انہوں نے ایسے تمام مندروں کی جو سازشوں سے پاک وصاف تھے اور جہاں صرف پوجا پاٹ، دھیان گیان یا پرستش کا کام ہوتا تھا نہ صرف حفاظت کی بلکہ انہیں کثیر آمدنی کی جاگیریں بھی عطا کیں۔ چنانچہ رقعات عالمگیر، وقائع عالمگیر اور اس دور کی دیگر تاریخی کتابوں کے منتشر اوراق میں ایسی متعدد جاگیروں کا پتہ چلتا ہے جنہیں اورنگ زیب نے مندروں یا گردواروں کو عطا کیا تھا اور جن کو محترم خورشید مصطفی صاحب نے اپنی کتاب (تاریخ کی سچائیاں اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان) میں ذکر کیا ہے، اس کتاب سے تاریخی حقائق پر مشتمل چند اقتباسات نقل کرتا ہوں جن کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس الزام کی حقیقت کیا ہے۔

بشمبر ناتھ پانڈے کی تحقیق:

جناب بشمبر ناتھ پانڈے (سابق گورنر اڑیسہ) نے اس سلسلے میں نمایاں کام کیا ہے۔ اپنی کتاب اسلام اینڈ انڈین کلچر (Islam and Indian Culture) میں وہ لکھتے ہیں: ''یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ عرب فاتح جو رویہ ماتحت قوموں کے ساتھ برتتے تھے، وہ ہندوستان میں آکر بالکل پلٹ گیا۔ ہندوؤں کی مندروں کو جوں کا توں محفوظ چھوڑ دیا گیا اور بت پرستی پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔۔۔۔ سندھ میں اللہ کی عبادت کے ساتھ بتوں کی پوجا کی بھی اجازت دی گئی، اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت ایک بت پرست ملک بنارہ گیا۔'' پانڈے صاحب نے الفسٹن کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''مسلم حکمرانوں کے عہد میں ہندوؤں کے مندروں اور دھرم شالاؤں کی حفاظت کی جاتی تھی، برندرابن اور گوردھن اور متھرا کی مندروں کو شاہی خزانوں سے مدد دی جاتی تھی۔ متھرا ضلع کے گوردھن میں ہری دیوی کے مندر میں شاہی دستاویزات موجود ہیں۔'' رائے بہادر لالہ بیج ناتھ نے اپنی کتاب (ہندوستان گذشتہ وحال) میں لکھا ہے کہ: ''ہندوؤں کے مذہب میں کوئی مداخلت عہد اسلامی میں نہیں کی جاتی تھی، نہ ان سے کوئی دشمنی کا برتاؤ ہوتا تھا۔۔۔۔ مبارک شاہ خلجی کے وقت میں تمام گورنمنٹ کا طریقہ ہندوانہ تھا۔'' پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (پریچنگ آف اسلام) میں لکھتے ہیں: ''اورنگ زیب کے عہد کی تاریخ میں، جہاں تک مجھے علم ہے، بہ جبر مسلمان کرنے کا کہیں ذکر نہیں۔ اسی طرح حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے بارے میں جو یہ شہرت ہے کہ انہوں نے بہت سے خاندانوں کو مسلمان کرلیا حالانکہ ان کا مسلمان ہونا ان بادشاہوں سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔''

مندروں کے لئے اورنگ زیب کے فرامین:

انگریز مؤرخوں کی زہریلی تاریخوں نے جو اثرات چھوڑے اس کے شکار جناب بشمبر ناتھ پانڈے بھی ہوئے، ان ہی کی زبانی سنیئے کہ: ''بچپن ہی میں میں نے بھی اسکولوں اور کالجوں میں اسی طرح کی تاریخیں پڑھی تھیں اور میرے دل میں بھی اسی طرح کی بدگمانیاں تھیں لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جس نے میری رائے قطعی بدل دی۔'' یہاں انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب وہ الہ آباد میونسپلٹی کے چیئرمین تھے اور تربینی سنگم کے قریب سومیشور ناتھ مہادیو کے مندر کی جائیداد پر جھگڑا چلا تو اس میں اورنگ زیب کے فرمان بطور ثبوت پیش کئے گئے جن میں اس نے مندر کو جاگیر دی تھی۔ پانڈے صاحب کو شبہ ہوا کہ یہ فرمان جعلی ہے۔۔۔ بھلا اورنگ زیب مندروں کو جاگیر عطا کرے۔۔ ناممکن!۔۔ وہ سر تیج بہادر سپرو کے پاس پہنچے اور وہ فرمان انہیں دکھائے۔ سپرو صاحب نے کہا کہ یہ فرمان جعلی نہیں اصلی ہے۔ پانڈے صاحب کو حیرت میں غرق دیکھ کر تیج بہادر

سپرو نے اپنے منشی کو آواز دے کر کہا کہ:" ذرا بنارس کی نگم باڑی شیومندر کی اپیل کی مسل تو لاؤ۔" منشی جی مسل لے کر آئے تو ڈاکٹر سپرو نے دکھایا کہ اس میں اورنگ زیب کے چار فرمان ہیں جن میں مندروں کو معافی کی زمین عطا کی گئی تھی، اس کے بعد ڈاکٹر سپرو کی صلاح پر پانڈے صاحب نے ملک بھر کے چند قدیم مندروں کے نام خطوط لکھے کہ اگر آپ کے مندروں کو اورنگ زیب یا مغل بادشاہوں نے کوئی جاگیر عطا کی ہو تو ہمیں فوٹو کاپی بھیجئے چنانچہ کچھ دن بعد ہمیں یہاں مندر اجین، بالا جی مندر (چتر کوٹ)، کاکا کیا او مانند مندر (گوہاٹی)، جین مندر (گرنار)، دلواڑ مندر (آبو)، گردوارہ رام رائے (دہرہ دون) وغیرہ سے اطلاع ملی کہ ان کو جاگیریں اورنگ زیب نے عطا کی تھیں۔" پانڈے صاحب لکھتے ہیں کہ: مؤرخوں کی تاریخ کے برعکس ایک نیا اورنگ زیب ہماری آنکھوں کے سامنے ابھر آیا، اورنگ زیب نے ان مندروں کو جاگیر عطا کرتے ہوئے یہ ہدایت دی تھی کہ ٹھاکر جی اس بات کی دعا مانگیں کہ اس کے خاندان میں حکومت تا قیامت بنی رہے۔" (تاریخ کی سچائیاں اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان)۔

ہندوستان کے معروف صحافی قلمکار اور ادیب آنجہانی خشونت سنگھ نے ہندوستان ٹائمز کے اپنے معروف کالم میں ۲۲ نومبر ۱۹۸۶ کو تحریر فرمایا تھا:"اورنگ زیبؒ نے درجنوں مندروں اور سکھوں کے گردواروں کو بڑی بڑی رقمیں اور جاگیریں عطا کیں، اس کے مہر شدہ اور دستخط شدہ فرمان آج بھی آرکائیوز میں موجود ہیں۔ اس نے اگر چند مندر مسمار کئے تو چند مسجدیں بھی گرائی ہیں۔اس نے مندر اور مسجد میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جب یہ ثابت ہوگیا کہ ان کا غلط استعمال کیا جارہا ہے۔اس نے اپنے فرمانوں میں برہمنوں اور مٹھوں کے لئے جو عزت افزائی کے الفاظ لکھے ہیں انہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔" (ہندوستان ٹائمز مؤرخہ ۲۲ نومبر ۱۹۸۶)۔

حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیبؒ کے دور حکومت میں مندروں، مٹھوں اور گردواروں کو جتنی جاگیریں عطا کی گئیں شاید کسی ہندو راجا مہاراجا کے دور میں بھی اتنی نہیں دی گئی ہوں گی، اس سلسلہ کی اگر مکمل تفصیلات جاننی ہو تو محترم مولانا عطاء الرحمن قاسمی (جنرل سکریٹری مولانا آزاد اکیڈمی، دہلی) کی مختصر لیکن اہم کتاب (ہندو مندر اور اورنگ زیب عالمگیر کے فرامین) ضرور دیکھنی چاہئے، مولانا نے اس میں مندروں اور دیگر عبادت گاہوں کو دی گئیں جاگیروں سے متعلق عالمگیر کے فرامین کے متون اور ان کا عکس بھی درج کیا ہے۔لیکن کیا کیا جائے کہ اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کی وجہ سے مؤرخوں نے حقیقت کو بالکل بدل کر رکھدیا۔مؤرخین کی اس روش کو شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالم گیر ہندو کُش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

مطالعہ کی میز پر

(۱) نام کتاب: موجودہ دور کے فتنے اوران کا علاج

صفحات: ۳۵۶ قیمت:-/۳۵۰روپے

(۲) نام کتاب: اعجاز قرآن کے حیرت انگیز نمونے

صفحات: ۳۵۶ قیمت:-/۳۵۰

(۳) نام کتاب: موجودہ حالات میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام

صفحات: ۳۰۶ قیمت:-/۲۵۰

مصنف: حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی صاحب زید مجدہٗ

مبصر: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہٗ

مولانا سید احمد ومیض ندوی صاحب زید مجدہٗ جنوبی ہند کی معروف درس گاہ دارالعلوم حیدرآباد کے مایۂ ناز استاذ، بہترین صاحب قلم اور پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ العالی کے خلیفۂ مجاز ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت خوبیوں سے نوازا ہے، بہ یک وقت وہ تجربہ کار استاذ بھی ہیں، کہنہ مشق مضمون نگار بھی ہیں، اچھے مقرر وداعی بھی ہیں اور قابلِ رشک مُربی ومعلم بھی!

زمانے کے تغیرات اور حالات کے بدلتے منظروں پر گہری نظر رکھتے ہیں، خوب سمجھتے اور صحیح ترجمانی وراہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، مذکورہ تینوں کتابیں مولانا کی دینی فکروں اور ملّی غموں کا ثمرہ ہیں، حالاتِ جدیدہ میں ایمان ویقین کو مضبوط رکھنے اور قوتِ عمل کو استعمال کرنے میں مدد ومعاون ہیں۔

حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرمائے، اور ملتِ اسلامیہ کو ان کتب سے استفادہ کی توفیق دے۔ آمین

مطالعہ کی میز پر

(۱) نام کتاب: قرآن وحدیث کے تیس سبق
مولف: محترم ابن غوری صاحب
صفحات: ۷۲ قیمت:-/۶۰ روپئے

(۲) نام کتاب: چہل حدیث برائے اطفال
مولف: محترم ابن غوری صاحب
صفحات: ۳۱ قیمت:-/۲۰ روپئے

ملنے کا پتہ: مکتبہ کلیمیہ حیدرآباد ودیگر
مبصر: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہٗ

محترم جناب ابن غوری صاحب زید مجدہٗ علاقۂ تلنگانہ کے مخلص، مُدبِّر اور فکر مند صاحب قلم ہیں، موصوف نے متعدد مضامین، کتابچے، اور پمفلٹ تیار کئے اور کرتے رہتے ہیں، مذکورہ رسائل بھی ان کی فکر و کوشش کا ثمرہ ہیں، اول الذکر رسالے میں انہوں نے ۳۰/اہم اسلامی عنوانات پر قرآن وحدیث کا انتخاب پیش کیا ہے، جن میں سے کوئی بھی عنوان پڑھنے اور سنانے کے لئے تین منٹ سے زیادہ وقت کا متقاضی نہیں ہے، پڑھنے، سمجھنے اور سنانے کی چیز ہے۔

ثانی الذکر بچوں کی تفہیم وتربیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے چالیس احادیث کا انتخاب ہے، جو جامع ہے اور ملٹی کلر مطبوع ہے، بچوں کی تربیت کے لئے اچھا ذخیرہ ہے، چالیس حدیثوں کے سیکھنے اور پھیلانے پر احادیث میں فضیلت آئی ہے، اس لئے متقدمین ومتاخرین میں اس کا رواج رہا ہے، محترم ابنِ غوری صاحب نے ایک اہم عنوان پر چالیس احادیث کا انتخاب کر کے مسلم بچوں کے لئے ایک نعمت فراہم کی ہے۔

ایک چارٹ رمضان المبارک کے نظام العمل سے متعلق بھی بہت مفید مرتب فرمایا ہے، دراصل موصوف محترم نے یہ رسائل تبصرے کے لئے شعبان ہی میں ارسال کئے تھے مگر زیرِ تکمیل فائلوں میں رہ گئے، اس لئے تاخیر کی معذرت کے ساتھ اس ماہ تبصرہ کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔ آمین

فقہ وفتاویٰ

نماز سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

نماز میں تکرار آیت کا حکم

سوال: اگر کسی نے سورہ فاتحہ کی کوئی ایک آیت مکرر پڑھی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز دوسری سورتوں کی کوئی آیت مکرر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: سورہ فاتحہ اور دوسری سورتوں کی کسی ایک آیت کا تکرار نوافل میں ہو تو کوئی حرج نہیں، البتہ فرائض میں بلا عذر مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 234:2)

مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہو؟

سوال: مسبوق اپنی نماز مکمل کرنے کے لئے کب کھڑا ہوگا؟

جواب: مسبوق کو اپنی نماز مکمل کرنے کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہیے، جب اس کو یقین ہو جائے کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا ہے اور اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہے اور یہ اکثر امام کے دوسرے سلام پھیرنے کے وقت ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 372:2)

آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا یعنی کہنیوں کو نماز میں کھلا رکھنا کیسا ہے؟

جواب: بلاوجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے وضو کے لئے یا کسی سبب سے آستینیں چڑھائی ہو تو اتار لیں پھر نماز شروع کریں، اگر رکعت پانے کے شوق میں نماز میں داخل ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اتار لے جس سے عمل کثیر لازم نہ آئے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 411:2)

قعدہ میں تشہد کی جگہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو کا حکم:

سوال: کسی نے التحیات کی جگہ سورہ فاتحہ پڑھ لی تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جواب: تشہد کی جگہ سورہ فاتحہ یا قراءت کر لی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 2:551)

سجدہ سہو کرنے کے بعد دوبارہ سہو ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: سجدہ سہو کرنے کے بعد التحیات کی جگہ سورہ فاتحہ پڑھنے لگا تو کیا دوبارہ سجدہ سہو کرے؟

جواب: دوبارہ سجدہ سہو کرنا لازم نہیں ہے بلکہ پہلا سجدۂ سہو کافی ہے تکرار سجدۂ سہو مشروع نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، زکریا 2:560)

بلا ضرورت سجدہ سہو کرنے سے نماز کا حکم

سوال: سجدہ سہو واجب نہیں تھا اور کر لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن بلا ضرورت سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیئے

(فتاویٰ دار العلوم، زکریا 2:566)

نماز سے پہلے شلوار یا پینٹ موڑنے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص کا پینٹ یا شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو تو نماز سے پہلے اس کو موڑنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: جو چیز نماز کے باہر مکروہ ہے وہ نماز میں بطریق اولیٰ مکروہ ہے اور کراہت کو نماز سے پہلے ختم کرنا چاہیے لہٰذا نماز سے پہلے شلوار یا پینٹ کو موڑ لینا چاہیئے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 2:727)

ریڈیو وغیرہ سے آیت سجدہ سننے کا حکم

سوال: ریڈیو وغیرہ سے آیت سجدہ سنے تو کیا سجدہ واجب ہے؟

جواب: اگر آیت سجدہ کسی آلہ مثلاً کیسٹ، سی ڈی یا ٹیپ ریکارڈ یا ویڈیوز میں محفوظ تھی اور کوئی اس سے سنے تو سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 2:573)

طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا

سوال: بعض مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر 30 یا 50 رکعات نوافل پڑھائی جاتی ہیں تو کیا نماز کو سزا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس نماز کا ثواب اس کو ملے گا؟

جواب: مدارس میں طلباء سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے نیز نماز کا ثواب بھی اس کو ملے گا، جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسر شہوت کے لیے روزہ رکھنے کو فرمایا تو اس میں روزے کا ثواب بھی ہے اور کسر شہوت بھی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا 2:716)